مواعظ حکیم الامت اور دینی رسائل کی اشاعت کا امین

ماہنامہ الامداد لاہور پاکستان

مدیر مسئول: (مولانا) مشرف علی تھانوی

مدیر: ڈاکٹر خلیل احمد تھانوی

جلد ۱۸ | ذی القعدہ ۱۴۳۸ھ | اگست ۲۰۱۷ء | شمارہ ۸

# روح الافطار

## عید کی روح وحقیقت

ازافادات

حکیم الامۃ مجدد الملۃ حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ

عنوانات وحواشی: ڈاکٹر مولانا خلیل احمد تھانوی

قیمت فی پرچہ =/۴۰ روپے | زرسالانہ =/۲۰۰ روپے

ماہنامہ الامداد لاہور

۳۵۴۲۲۲۱۳
۳۵۴۳۳۰۴۹

پتہ دفتر: جامعہ دارالعلوم الاسلامیہ رجسٹرڈ

۲۹۱۔ کامران بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور

ناشر: (مولانا) مشرف علی تھانوی

مطبع: ہاشم اینڈ حماد پریس

۱۳/۲۰ ریٹی گن روڈ بلال گنج لاہور

مقام اشاعت

جامعہ دارالعلوم الاسلامیہ رجسٹرڈ لاہور پاکستان

# روح الافطار

## (عید کی روح وحقیقت)


| نمبر شمار | عنوانات | صفحہ |
|---|---|---|
| ۱..... | تمہید..... | ۹ |
| ۲..... | عید کی خوشی..... | ۱۰ |
| ۳..... | شریعت کی جامعیت..... | ۱۱ |
| ۴..... | غوث اعظم کا حال..... | ۱۲ |
| ۵..... | مولانا نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی خاکساری..... | ۱۳ |
| ۶..... | مولانا کی خدمت میں رؤساء کی آمد..... | ۱۴ |
| ۷..... | دنیا کا حال..... | ۱۵ |
| ۸..... | حمقاء کی حکایات..... | ۱۶ |
| ۹..... | ایک احمق کی غلط فہمی..... | ۱۷ |
| ۱۰..... | ناروا خواہش..... | ۱۸ |
| ۱۱..... | توکل کی حقیقت..... | ۱۸ |
| ۱۲..... | طلب لذت..... | ۱۹ |
| ۱۳..... | غنائے ظاہری وباطنی..... | ۲۰ |

۱۴..... ترکِ دنیا کی حقیقت ..... ۲۰

۱۵..... اسباب کی حقیقت ..... ۲۱

۱۶..... قارون کا مذہب ..... ۲۲

۱۷..... تصرف حق کی حقیقت ..... ۲۲

۱۸..... تصرفات حق تعالیٰ ..... ۲۴

۱۹..... ایک ملحد کی حکایت ..... ۲۴

۲۰..... فلسفیوں کی مثال ..... ۲۵

۲۱..... ابراہیم علیہ السلام کا مشرب ..... ۲۶

۲۲..... حقیقی معطیٰ ..... ۲۷

۲۳..... بے دین بادشاہ کی حکایت ..... ۲۸

۲۴..... ہر چیز اللہ کے حکم کے تابع ہے ..... ۲۹

۲۵..... کوئی چیز مؤثر بالذات نہیں ..... ۲۹

۲۶..... دعائے فعلی ..... ۳۰

۲۷..... رب العزت کا حلم ..... ۳۱

۲۸..... اطمنان قلب ..... ۳۲

۲۹..... اہل اللہ کا حال ..... ۳۲

۳۰..... احمد رفاعی کا حال ..... ۳۳

۳۱..... اہل اللہ اور اہل دنیا میں فرق ..... ۳۳

۳۲..... اہل اللہ کے علوم ..... ۳۵

۳۳..... شیخ سعدی کا گالا ..... ۳۶

۳۴..... مسلمانوں کا مذاق ..... ۳۷

۳۵..... عاشق کا مذہب ..... ۳۸

۳۶..... مسلمان کی شان ..... ۳۸

۳۷..... اس زمانے کے عقلاء کا حال ..... ۴۰

۳۸..... سادہ لوح بندۂ خدا کا حال ..... ۴۱

۳۹..... علم دینیہ کی حقیقت ..... ۴۲

۴۰..... لوگوں کی بے حسی ..... ۴۳

۴۱..... عشقی اسلام ..... ۴۴

۴۲..... افطار کی روح ..... ۴۵

۴۳..... روزے کی نقد جزاء ..... ۴۶

۴۴..... قرب ومشاہدہ الٰہی کا خاصہ ..... ۴۷

۴۵..... طبعی پریشانی ..... ۴۸

۴۶..... مقربین الٰہی کی شناخت ..... ۴۸

۴۷..... قربِ الٰہی کے آثار ..... ۵۰

۴۸..... عاشق کا حال ..... ۵۱

۴۹..... مجنوں کا انجام ..... ۵۲

۵۰..... اہل اللہ کا حال ..... ۵۴

۵۱..... شاہ وگدا کے حال میں فرق ..... ۵۵

۵۲..... سیدنا غوث اعظم کا جواب ..... ۵۶
۵۳..... خلوت میں جلوت ..... ۵۷
۵۴..... مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا حال ..... ۵۸
۵۵..... زاہد کی حکایت ..... ۵۹
۵۶..... عید یوم المشاہدہ ہے ..... ۶۰
۵۷..... حقیقتِ عید ..... ۶۱
۵۸..... جنت کی نعمتیں ..... ۶۲
۵۹..... بنی اسرائیل اور مسلمانوں کے فائدہ میں فرق ..... ۶۴
۶۰..... ہمارے لئے دو مائدے ..... ۶۵
۶۱..... انعامات الٰہی کی قدر ..... ۶۵
۶۲..... زمین پر گرنے والی چیز اٹھا کر کھانے کی حکمت ..... ۶۶
۶۳..... لطافت طبع ..... ۶۷
۶۴..... نعمت کی قدر دانی ..... ۶۸
۶۵..... حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت ..... ۶۹
۶۶..... محبین کی کیفیات ..... ۶۹
۶۷..... ہماری حالت ..... ۷۰
۶۸..... خلاصہ وعظ ..... ۷۰

وعظ

# روح الافطار

## (عید کی روح وحقیقت)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ نے وعظ ''روح الافطار'' ۲۳/ رمضان المبارک ۱۳۳۳ھ کو جامع مسجد تھانہ بھون میں منبر پر تشریف فرما ہوکر تین گھنٹے تک ارشاد فرمایا۔ مولانا عبدالحلیم صاحب نے اس کو ضبط فرمایا سامعین کی تعداد تقریباً ۵۰۰ تھی۔

رمضان المبارک کے گذشتہ جمعوں میں عبادات کی روح کو بیان کیا گیا تھا اس مناسبت سے اس جمعہ میں افطار کی روح اور افطار اکبر یعنی عیدالمبارک کی روح کا بیان ہوا ہے۔ یہ وعظ سالکین کو خصوصاً اور عوام کو عموماً مفید ہے۔

اللہ تعالیٰ اس کے مضامین کو سمجھنے اور ان پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین

خلیل احمد تھانوی

۲۷ رجب ۱۴۳۸ھ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

# خطبۂ ماثورہ

الحمد للّٰہ نحمدہٗ و نستعینہٗ ونستغفرہٗ و نؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللّٰہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ وحدہ لا شریك لہ ونشھد انّ سیدنا ومولانا محمدًا عبدہ ورسولہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ اٰلہ واصحابہ و بارك وسلم **اما بعد:**

فاعوذ باللّٰہ من الشیطن الرجیم

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

﴿ قَالَ عِیۡسَی ابۡنُ مَرۡیَمَ اللّٰھُمَّ رَبَّنَآ اَنۡزِلۡ عَلَیۡنَا مَآئِدَۃً مِّنَ السَّمَآءِ تَکُوۡنُ لَنَا عِیۡدًا لِّاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا وَاٰیَۃً مِّنۡکَ ۚ وَارۡزُقۡنَا وَاَنۡتَ خَیۡرُ الرّٰزِقِیۡنَ ﴾(۱)

## تمہید

یہ معلوم کر لینا چاہیئے کہ یہ رمضان کا مہینہ ہے جس کے متعلق اب تک ہر جمعہ میں کچھ مضامین بیان کئے گئے ہیں کہ جن کا حاصل ان عبادات کی ارواح واسرار تھا جو مخصوص ہیں اس ماہ مبارک کے ساتھ۔ اگر اس جمعہ کے بعد دوسرے جمعہ کا آنا متیقن ہوتا تو جو مضمون اس وقت بیان کرنا مقصود ہے اسی جمعہ میں بیان کیا جاتا یعنی عید کے متعلق بیان کرنا ہے اور عید کو ابھی ایک ہفتہ باقی ہے۔

(۱) ''عیسیٰ بن مریم نے دعا کی اے اللہ اے ہمارے پروردگار ہم پر آسمان سے کھانا نازل فرمائیے کہ وہ ہمارے لئے یعنی ہم میں جو اول ہیں اور بعد ہیں سب کے لئے ایک خوشی کی بات ہوجائے اور آپ کی طرف سے ایک نشان ہوجائے آپ ہم کو عطا فرمائیے اور آپ سب عطا کرنے والوں سے اچھے ہیں'' سورۃ المائدہ:۱۱۴۔

ہمارے یہاں چونکہ تیس کا چاند رکھا گیا اس لئے جمعہ کا آنا بھی محتمل ہے اور جہاں انتیس کا چاند دیکھا گیا وہاں تو یقیناً اب کا جمعہ رمضان کا نہ ہوگا۔ اس لئے عید کے متعلق آج ہی بیان کئے دیتا ہوں۔ ابتک ان طاعات کی روح ذکر کی گئی ہے جو رمضان کے اندر ہیں اب چونکہ رمضان ختم ہونے کو ہے لہٰذا آج اس عبادت کے متعلق بیان ہوگا جو اس کے بعد ہے اور لہٰذا اسی طرز پر عید کی روح کے متعلق بیان ہوگا۔ تاکہ جو غایت ان طاعات کی روح معلوم کرنے سے ہے اسی غایت کا لحاظ عید میں بھی کرلیں اور احکام فرعیہ عید(۱) کے اس وقت بیان نہیں کئے جائیں گے کہ بارہا بیان ہوچکے ہیں۔ اب بھی اگر کسی کو یاد نہ رہے ہوں اور ضرورت ہو تو پوچھ لے۔ ہاں چاہے تبعاً وضمناً بیان ہوجائیں تو مضائقہ نہیں۔

## عید کی خوشی

اور مطلب اُس غایت کے لحاظ کرنے کا یہ ہے کہ عید صرف کھانے پینے ہی کا نام نہ سمجھیں بلکہ اس میں علاوہ فرحت حسیہ صوریہ(۲) کے جو ایک فرحت روحانیہ شرعیہ الٰہیہ(۳) بھی ہے اس کا بھی لحاظ کرلیں کہ جس کی طرف جناب رسول مقبول ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے: (لِلصَّائِمِ فَرْحَتَانِ فَرَحَةٌ عِنْدَ الْاَفْطَارِ وَفَرْحَةٌ عِنْدَ لِقَاءِ الرَّحْمٰنِ ) جس کا بیان آتا ہے یعنی روزہ دار کو دو فرحتیں ہوتی ہیں ایک افطار کے وقت دوسری فرحت لقاء(۴) رب کے وقت جو آخرت میں ہوگی اور اس حدیث میں گو ظاہراً روزمرہ کے افطار کا ذکر ہے لیکن قیاس کہئے یا دلالۃ النص کے اعتبار سے سمجھئے یا لفظ کا عموم لیجئے اس میں دوسرے افطار پر بھی دلالت

(۱) عید سے متعلق فروعی احکام (۲) صورۃ محسوس خوشی کے علاوہ (۳) شرعی روحانی خوشی (۴) اللہ سے ملاقات کے وقت۔

ہے یعنی افطار اکبر(۱)۔ سو اس کا بھی یہی حکم ہے اس اعتبار سے اس افطار اکبر کے باب میں یہ ارشاد ہوگا کہ اس افطار کے وقت بھی ایک فرحت ہوتی ہے باقی یہ کہ افطار کے وقت کس بات کی خوشی ہوتی ہے۔ سو ایک خوشی تو اہلِ ظاہر کو ہے کہ کھانا پینا ملا اور ایک خوشی افطار کے وقت اہلِ حقیقت کو ہوتی ہے کہ حق تعالیٰ کی توفیق سے عبادت تام ہوئی یہ ہے وہ فرحت روحانیہ جس کا لحاظ فطرا کبر یعنی عید کے روز بھی کرنا چاہیئے اور اسی پر کیا منحصر ہے شریعت میں تو تمام احکام کے متعلق مصالح دنیویہ واخرویہ دونوں مودع (امانت رکھا گیا) ہیں تاکہ جو جس کا مذاق ہے اپنے مذاق کے موافق خواہ دینی یا دنیوی مصلحت سمجھ کر ہر طرح اس کا امتثال کر ہی لے۔ اہل صورت کا خیال صورت کی طرف جاتا ہے اہل معنی کا ذہن معنی کی طرف منتقل ہوتا ہے اور جو جامع ہیں ان کو دونوں کا لحاظ ہوتا ہے ۔

بہار عالم حُسنش دل وجاں تازہ میدارد
برنگ اصحاب صورت را بہ بو ارباب معنی را(۲)

## شریعت کی جامعیت

یہی شریعت مقدسہ کی کیفیت ہے کہ صورت ومعنی دونوں کی جامع ہے یعنی مصالح دینیہ ومصالح دنیویہ دونوں کی رعایت ہے لیکن اصل مقصود ان میں مصالح دینیہ ہیں ہاں مصالح دنیویہ بھی اس پر مرتب ہوجاتے ہیں۔ ہمارے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے دنیا آخرت کی خوب مثال بیان فرمائی۔ فرمایا کہ دنیا وآخرت مثل شخص اور اس کے ظل (۳) کے ہیں کوئی سایہ کو پکڑنا چاہے ہاتھ نہیں آسکتا۔ اس کی

(۱) یعنی عید کا دن (۲) ''اس کے عالم حسن کی بہار ظاہر پرست لوگوں کے دل وجان کو اپنے حسن صوری سے اور حقیقت پرست لوگوں کے دل وجان کو اپنے حسن معنوی سے تروتازہ رکھتی ہے'' (۳) آدمی اور اسکے سایہ کی طرح۔

یہی صورت ہے کہ اس شخص کو پکڑ لو جس کا یہ سایہ ہے۔ پھر دیکھو اگر تم اس سایہ کو دھکے بھی دو تب بھی نہ جائے گا اور یوں تو ساری عمر برباد کردو گے کبھی ہاتھ نہ آئیگا۔

## غوث اعظم کا حال

اور اسی ظلیت (۱) سے ناشی ہے وہ واقعہ کہ سیدنا حضرت غوث الاعظم رحمۃ اللہ علیہ تیز اور لطیف المزاج بزرگ جو لطیف ولذیذ کھانے کھایا کرتے تھے اور نہایت نفیس لباس پہنا کرتے تھے۔ مگر اس کا اہتمام نہ تھا خود بخود حق تعالیٰ دے تو انکار بھی نہ تھا۔

ہرچہ از دوست میرسد نیکو ست

''جو کچھ محبوب حقیقی عطا کریں وہ اچھا ہے''

کیونکہ وہ حضرات کمبل یعنی کنبل اوڑھنے والے نہ تھے وہ مکمل تھے یہ بات بھی کمال کے خلاف نہیں تھی تو نکتہ اس میں حضرت نے یہ فرمایا کہ نعمائے دنیا ظل (سایہ) ہیں نعمائے اخریٰ کا، اور نعمائے اخریٰ (آخرت کی نعمتیں) کے متعلق ارشاد ہے: ﴿وَفِیْ ذَالِكَ فَلْيَتَنَافَسَ الْمُتَنَافِسُوْنَ﴾ ''اور حرص کرنے والوں کو ایسی چیز کی حرص کرنی چاہیئے''

ان حضرات کو نعمائے دنیا (دنیا کی نعمتیں) میں عکس نظر آتا تھا نعمائے آخرت کا اور وہ لطف آتا تھا جو نعمائے آخرت میں ہوگا۔ اُن لذتوں کے حاصل کرنے کے لئے یہاں کی لذت اختیار کرتے تھے ہمارے فقہاء بھی مثل صوفیہ کے حکماء ہیں بلکہ حقیقت میں یہی دو گروہ حکماء ہیں ایک صوفیہ دوسرے فقہاء تو صوفیہ نے بھی اس کو سمجھا کہ وہاں کی لذتوں کا نمونہ ہے۔ اور فقہاء نے بھی اس کو سمجھا

(۱) اسی عکس ہونے پر وہ مسئلہ متفرع ہے۔

چنانچہ صاحب ہدایہ رحمۃ اللہ علیہ جن کی عادت ہے کہ ہر مسئلہ کی ایک دلیل نقلی بیان فرماتے ہیں اور ایک عقلی جہاں یہ مسئلہ تحریر فرماتے ہیں کہ حریر(۱) چار انگل تو جائز ہے۔ اس سے زیادہ جائز نہیں۔ چار انگل اس طور پر کہ سنجاف(۲) یا بیل عمامہ یا ٹوپی یا اور کسی کپڑے میں لگالے تو کچھ حرج نہیں۔ اول اس کی دلیل نقل ارشاد فرمائی۔ اس کے بعد حکمت عقلیہ یہ ارشاد فرماتے ہیں کہ یہ نمونہ ہے لباس اہل جنت کا کیونکہ لِبَاسُهُمْ فِيْهَا حَرِيْرٌ ''جنت میں ان کا لباس ریشمی ہوگا'' تاکہ تھوڑا دیکھ کر وہ یاد آوے اور اس کے حاصل کرنے کی رغبت ہو اور اس کا حصول موقوف ہے اعمال صالحہ پر۔ لہذا جب اس کی رغبت ہوگی تو اعمال صالحہ کی بھی رغبت ہوگی۔ سبحان اللہ حریر(۳) پہن رہے ہیں اور سلوک(۴) طے کر رہے ہیں۔ غرض یہاں کی نعمتیں ظل ہیں نعمائے آخرت کا حضرت فرماتے تھے کہ اگر کسی شخص کا سایہ اچھا معلوم ہوتا ہے تو اس شخص پر قبضہ کرلو تو پھر وہ سایہ ایسا ہے کہ دھکے دینے سے بھی نہیں جائے گا۔ اسی طرح اگر دنیا چاہتے ہو تو آخرت اختیار کرلو۔ آخرت کے ساتھ دنیا کی یہ حالت ہے کہ اَتَتْهُ الدُّنْيَا وَهِيَ رَاغِمَةٌ دنیا خاک میں ملتی ہوئی اور ناک رگڑتی ہوئی آوے گی۔

## مولانا نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی خاکساری

مولانا محمد یعقوب صاحب فرماتے تھے کہ میں نے اپنی آنکھوں سے اَتَتْهُ الدُّنْيَا وَهِيَ رَاغِمَةٌ کا مصداق دیکھا۔ مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ حجرہ میں تشریف رکھتے تھے بڑے بڑے معزز لوگ نواب ورؤساء زیارت کو حاضر ہوتے تھے

(۱) ریشم (۲) چار انگل کی پٹی پگڑی وغیرہ کسی کپڑے پر بطور بیل لگالی جائے تو جائز ہے (۳) ریشم (۴) مقام تصوف۔

وہاں کسی سے پوچھا کب تشریف لائیں گے۔ اس نے کہا اب تھوڑی دیر میں نکلیں گے۔ حجرہ کے آگے ایک چٹائی بچھی تھی۔ جس پر کبھی جھاڑو نہیں ہوئی تھی۔ سیروں گرد پڑی ہوئی تھی۔ وہاں بھلا کیوں جھاڑو ہوتی جن کا مذاق یہ تھا کہ مولانا محمد یعقوب صاحب فرماتے تھے کہ جو مسجد میں بہت دبا دبا کے جھاڑو دیتے ہیں ہمیں بھلا معلوم نہیں ہوتا۔ اتنا تو کرے کہ خدا کے سامنے خاکساری کی شکل تو بنالے وہ سجدہ ہی کیا ہوا جس میں ماتھے اور ناک میں مٹی نہ بھرے بس کچی زمین ہو، مٹی ناک کو، ماتھے کو ہاتھوں کو اور تمام مواضع سجدہ کو لگتی ہو، ہمارا تو اسی میں جی بھلا ہوتا ہے۔ تو جن کا یہ مذاق ہو ان کی چٹائی پر کون جھاڑو دے۔

## مولانا کی خدمت میں رؤساء کی آمد

وہ رؤساء اسی چٹائی پر بیٹھ جاتے تھے اور کھلی آنکھوں نظر آتا تھا کہ اَتَتْہُ الدُّنیا وَھِیَ رَاغِمَۃٌ (اس کے پاس دنیا ناک رگڑتی ہوئی آتی ہے) کہ اہلِ دنیا خاک آلود ہوتے تھے۔ حقیقت میں اسی حدیث سے معلوم ہوا کہ دھکیلنے سے بھی نہیں نکلتی۔

گرنستانی بہ ستم میرسد(۱)

دنیا آنا اہل دنیا کا آنا ہے بلکہ جو مجاذیب مجذوب ہیں وہ تو دنیا کو ہاتھوں سے بھی نکالتے ہیں، زبان سے بھی نکالتے ہیں، دل سے بھی نکالتے ہیں ہاتھ سے تو اس طرح کہ کہیں گھونسے سے خبر لیتے ہیں۔ کبھی مارتے ہیں اور زبان سے یہ کہ بُرا بھلا کہتے ہیں۔ گالیاں دیتے ہیں اور دل سے یہ کہ نفرت کرتے ہیں انہیں بُرا سمجھتے ہیں۔ لیکن لطف یہ ہے کہ جہاں زبان سے کسی کو بُرا بھلا کہا یا مارا پیٹا وہاں اس کا کام بن گیا۔

(۱) ''اگر خوشی سے نہ لو تو زبردستی پہنچتی ہے''۔

# دنیا کا حال

مولانا فضل الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق لوگوں کا خیال یہ تھا کہ جب تک تیزی اور سختی کرتے تھے لوگوں کا کام بن جاتا تھا جب سے نرمی اور خوش اخلاقی برتنے لگے لوگوں کا کام ہونا بند ہوگیا۔ چنانچہ بعضے مجاذیب(۱) کے یہاں بھی کام ہوجانے کی یہ علامت ہے کہ دھکّے دیدیئے کام ہوگیا اور باوجود اتنی بدمزاجیوں کے لوگ پھر بھی ان کے پاس جاتے ہیں۔ وہ دنیا کو نکالتے ہیں اور نہیں نکلتی۔ اسی سے حضرت فرماتے تھے اگر کوئی طالبِ دنیا ہو تو تارکِ دنیا ہوجائے۔ کیونکہ اس کی وہ حالت ہے جو بے حیا فاحشہ عورتوں کی ہوتی ہے کہ اگر کوئی ان کے پیچھے پھرے تو نخرے کرتی ہیں اور اگر کوئی ان سے پھرے تو یہ اس کے پیچھے پھرتی ہیں کہ شکار نکلنے نہ پائے۔ یہی کیفیت دنیا کی ہے کہ اگر اس کے پیچھے پیچھے پھرو تو نخرے کرتی ہے اور ہاتھ نہیں لگتی اور اگر اسے چھوڑ دو تو پیچھے پیچھے آتی ہے ؎

عارفے خواب رفت در فکرے　　دید دنیا بصورتے بکرے(۲)
کرد ازوے سوال کاے دلبر　　بکر چونی بایں ہمہ شوہر(۳)
گفت یک حرف با تو گویم راست　　کہ مرا ہر کہ بود مرد نہ خواست
وانکہ نامرد بود خواست مرا　　زاں بکارت ہمیں بجاست مرا(۴)

بہرحال جو اس سے بھاگتے ہیں یہ ان کے پیچھے پیچھے پھرتی ہے۔ لیکن اللہ اس کو کوئی تجارت اور دنیا کمانے کا طریقہ نہ سمجھے کہ بہت سہل ترکیب معلوم ہوئی بس دنیا کو چھوڑ دیں گے وہ خود حاصل ہوجائے گی۔ اس سے ہرگز دنیا حاصل نہیں

(۱) مجذوبوں کے یہاں (۲) ''ایک عارف نے دنیا کو کنواری لڑکی کی صورت میں خواب میں دیکھا'' (۳) ''اُس سے پوچھا کہ اتنے تو تیرے خصم اور تو ابتک باکرہ ہی رہی'' (۴) ''اس نے کہا بات یہ ہے جو مرد تھے انہوں نے منہ نہیں لگایا اور جنہوں نے منہ لگایا وہ نامرد تھے اس لئے میں ویسی ہی ہوں''۔

ہوسکتی۔ کیونکہ جب تم دنیا کو اس نیت سے چھوڑ دو گے تو تم طالب دنیا ہوئے تارک دنیا کہاں ہوئے۔ یاد رکھو اگر ایسا کرو گے تو روٹی بھی نہیں ملے گی۔

## حمقاء کی حکایات

یہ تو وہی بات ہوئی کہ ایک مولوی صاحب نے وعظ میں بیان کیا کہ ایک دو تو دس ملیں۔ ایک احمق کہنے لگا کہ مولوی صاحب آپ نے تو بڑی اچھی تجارت بتلائی کہ جس قدر اس میں نفع کہ نہ پانچ روپے سینکڑہ، نہ دس روپے سینکڑہ، نہ سو روپے سینکڑہ ایک دم سے ہزار روپے سینکڑہ بس اب سے یہی کریں گے۔ میاں کے پاس ایک روپیہ تھا جھٹ کسی فقیر کو دیدیا منتظر ہوئے کہ اب ملیں دس روپے، اب ملیں۔ وہ نہ آج ملتے ہیں نہ کل۔ اپنے دل میں خیال کرنے لگا کہ مولوی صاحب بڑے جھوٹے تھے خوامخواہ میرا روپیہ بھی کھوایا۔ اسی غم میں بے چارے کو پیچش ہوگئی (۱)۔ ہر وقت دستوں کا سلسلہ۔ بے چارہ جنگل جاوے ہگ آوے (۲) ایک بار ایک کھیت کے کنارے بیٹھا ہگ رہا تھا۔ ہگ چکا تو استنجے کے لئے ڈھیلا اٹھایا ایک ڈھیلے کے نیچے سے ایک بٹوا نکلا کھول کر دیکھا تو پورے دس روپے تھے۔ بڑے خوش ہوئے مولوی صاحب کے پاس آئے اور کہا کہ مولوی صاحب تم سچ کہتے تھے کہ ایک کے دس ملتے ہیں۔ چنانچہ میں نے ایک روپیہ دیا تھا دس روپے مل گئے۔ مگر بھائی مروڑے بڑے غضب کے ہیں (۳) ان کی مجھے برداشت نہیں ہوئی۔ تم نے مجھ سے پہلے ہی کیوں نہ کہدیا کہ ایک کے دس ملتے ہیں اور ساتھ ہی اس کے مروڑے ہوتے ہیں تاکہ کبھی میں ایسا نہ کرتا میرا تو ناک میں دم ہوگیا۔

(۱) دست آنا شروع ہوگئے (۲) جنگل میں جاکر رفع حاجت کرکے واپس آجائے (۳) پیٹ میں مروڑ اور دست آنے سے بہت تکلیف ہوئی جو ناقابل برداشت ہے۔

معاف رکھو میں ایسی تجارت سے باز آیا۔

تو حضرت اسے گو تو نیت بخیر (۱) نہ تھی مگر مل گیا۔ مگر یاد رکھو تمہیں سوائے مروڑوں کے کچھ نہیں ملے گا۔

## ایک احمق کی غلط فہمی

اسی طرح کسی اور احمق نے ایک مولوی صاحب سے وعظ میں سن لیا تھا کہ توکل میں سب کچھ ملتا ہے۔ بس سب چھوڑ چھاڑ جنگل میں سڑک کے کنارے جا بیٹھا، سڑک کے کنارے ایک کنواں بھی تھا۔ مسافر آتے تھے کنویں پر بیٹھ کر اس کی طرف سے منہ پھیر کر کھانا کھا کر یہ جا وہ جا، یہ حضرت یونہی منہ تکتے رہ جاتے۔ اسی طرح تین چار دن گذر گئے۔ اب تو میاں کے دم پر بن گئی (۲) کہ معلوم ہوتا ہے کہ میں یہیں اسی حالت میں مرجاؤں گا اتفاقاً ایک اور شخص آیا وہ بھی اسی طرح کھا پی کر چلنے لگا۔ آپ کہتے ہیں اونہ اونہ (کھنکار کی آواز) اس نے مڑ کر ان کی طرف دیکھا رحم آ گیا جو روٹیاں بچی تھیں انہیں دیکر چلا گیا انہوں نے کھائی جب ذرا جان آئی تو آئے مولوی صاحب کے پاس اور کہا کہ مولوی صاحب آپ نے یوں تو کہا کہ توکل میں اسباب ترک کرنا پڑتے ہیں مگر یہ کہنا شاید آپ بھول گئے کہ کھنکارنا بھی پڑتا ہے۔ وہ تو کہئے تین چار دن کے بعد میں نے اپنے اجتہاد سے معلوم کرلیا تھا ورنہ ہلاک ہی ہوجاتا۔ مہربانی فرما کر اب جہاں کہیں توکل کے متعلق بیان فرمائیے گا یاد کر کے ضرور ضرور یہ بھی بیان فرمادیا کیجئے کہ کھنکارنا بھی پڑتا ہے۔ تو بات یہ ہے کہ انہوں نے نکما بننے کو توکل سمجھا ہے۔

(۱) اگرچہ نیت اچھی نہیں تھی (۲) جان نکلنے لگی۔

## ناروا خواہش

گنگوہ کا ذکر ہے کہ ایک بزرگ نے اپنے بیٹوں سے کہا کہ کچھ کام کرو جس سے آئندہ گذر کی صورت ہو انہوں نے کہا کہ آپ حضرت مولانا کو نہیں دیکھتے کہ وہ کچھ بھی کام نہیں کرتے اور پھر بھی کیسے چین سے بسر ہوتا ہے انہوں نے کہا کہ ان جیسا کمال بھی پیدا کرو۔ افسوس ان کے کمال کی حرص نہ ہوئی۔ پھر یہ کہ خدمت کرنے والوں کو حرص نہ ہوئی۔ بڑے ہی کم ہمت ہو کہ بدوں کمال مخدوم بننا چاہتے ہو اور ان کی مخدومیت تو منجانب اللہ ہے یہ تدبیر تھوڑا ہی ہے مخدومیت کی۔ ورنہ اگر اس نیت سے کرے کہ یہ تدبیر ہے معاش کی تو وہ توکل نہیں ہے۔ ایک صاحب مجھ سے کہنے لگے کہ کوئی ایسا تعویذ بتادو جس سے امراء مسخر ہو جاویں(۱)۔

جب میں نے سمجھایا تو کہنے لگے کہ پھر کوئی ایسی تدبیر بتادو کہ توکل ہی پیدا ہو جاوے تاکہ دنیا سے بے فکری ہو جائے۔ غرض مطلوب تو دنیا ہی ہے خواہ تحصیل کے ذریعہ سے حاصل ہو یا ترک کے ذریعہ سے۔

## توکل کی حقیقت

حضرت منصور کا مذاق تو یہ تھا کہ بعض مخلصین پر بھی گرفت کرتے تھے، ایک مرتبہ کسی سالک سے انہوں نے پوچھا کیا کر رہے ہو، انہوں نے کہا مقام توکل کی تصحیح کر رہا ہوں۔ فرمایا افسوس اب تک پیٹ ہی کی فکر میں ہو، کیونکہ پیٹ کی فکر نہ رہنے کی فکر بھی پیٹ ہی کی فکر ہے۔ کیونکہ پیٹ کی فکر اطمینان کے لئے کرتے ہیں اور توکل سے بھی اطمینان حاصل ہو جاتا ہے۔ اس لئے یہ بھی پیٹ ہی کی فکر ہے۔ یہ تو بتلاؤ کہ اصلی کام یعنی مشاہدہ جمال میں کب لگو گے تو غرض دنیا کی نیت سے جو

(۱) مال دار لوگ میری تابعداری کرنے لگیں۔

دین کا کام کروگے تو وہ بھی دنیا ہی ہوجائے گی۔ پھر وہ برکت کہاں۔ برکت تو اللہ کے واسطے کرنے میں ہے۔ جولوگ اللہ واسطے دنیا کو چھوڑتے ہیں وہاں دنیا کی نیت تو کیا ہوگی ثمرات باطنیہ کی بھی نیت نہیں ہوتی۔ نہ کیفیات کا انتظار ہوتا ہے نہ احوال کی توقع ہوتی ہے اور اگر کسی کو ہے تو وہ عبدالحال ہے، عبدالثمرات ہے، عبدالکیفیات ہے(۱)۔ وہ عبداللہ نہیں ہے(۲) کیونکہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر حال نہ ہوتا وہ عبادت نہ کرتا۔ اور طلب حال کی دوصورتیں ہیں ایک تو دعا ہے کہ حال ہو اس کا کچھ حرج نہیں اور ایک یہ کہ اعمال ہی سے نیت یہ ہو کہ حال ہو یہ خلاف طریقت ہے چنانچہ اگر کوئی نماز پڑھ کر دعا کرے کہ سو روپے مل جاویں تو اس میں تو کچھ حرج نہیں اور واقعی یہ نماز اللہ ہی کے لئے ہے۔ اور اگر خود نماز ہی سے یہ نیت ہو کہ سو روپے ملیں گے تو یہ نماز اللہ کے لئے نہیں ہے یہ سو روپے کے لئے ہے۔ اسی طرح اگر اللہ کا نام اس نیت سے لیتا ہے کہ لذت ہو تو وہ عبداللذات ہے(۳) خوب سمجھ لو۔

## طلب لذت

پس بعض لوگ تو طلب لذت کو مطلقاً بُرا نہیں سمجھتے اور بعضے مطلقاً بُرا سمجھتے ہیں۔ لیکن تحقیق یہ ہے کہ اعمال میں اس کی نیت رکھنا تو مذموم ہے۔ لیکن مستقل طور پر دعا سے طلب کرنا جائز ہے گو وہ خلاف مصلحت واقع میں ہو۔ اگر ایسا ہوگا حق تعالیٰ خود ہی عطا نہ فرماویں گے جیسے عموماً دعاؤں میں یہی صورت ہے۔ لیکن مانگنے میں کچھ قبح نہیں۔ پس خدا کا نام تو خدا ہی کے لئے لینا چاہیئے ؎

از خدا غیر خدا را خواستن　　ظن افزونی است کلی کاستن(۴)

(۱) بندہ حال، بندہ کیفیات، بندہ ثمرات ہے (۲) وہ اللہ کا بندہ نہیں ہے (۳) لذتوں کا غلام (۴) ''خدا سے غیر خدا کو طلب کرنا انتہائی تنزل ہے کہ جس چیز کو مفید سمجھ کر طلب کر رہے ہو وہ کلیہ غیر مفید ہے''۔

خدا کا نام دوسری چیز کے مانگنے کی نیت سے لینا تنزل ہے۔ اللہ کا نام تو اس واسطے ہے کہ اللہ راضی ہو۔ خلاصہ یہ کہ جب ذکر وعمل سے قصد ثمرات باطنہ بھی غیر محمود ہے تو قصد دنیا تو اس ذکر وعمل توکل وغیرہ سے کہاں محمود ہوگا۔ پس ترک دنیا وہ معتبر ہے جو واقع میں ترک ہو یہ نہیں کہ بظاہر ترک اور واقع میں طلب۔

## غنائے ظاہری و باطنی

ایک بغدادی صاحب کانپور آئے تھے ان کے پاس غنا کا عمل تھا۔ ایک حکیم صاحب نے ان سے اس کے سکھانے کی درخواست کی۔ اصرار کے بعد انہوں نے سکھا کر اس کی تعریف کی کہ اس سے اگر کبھی غنائے ظاہری بھی نہیں حاصل ہوا تو غنائے باطنی تو ضرور ہی حاصل ہوگیا ہے کبھی خالی نہیں گیا۔ وہ درود شریف کا عمل تھا۔ یہ سن کر بس حکیم صاحب پھیکے پڑ گئے کہ غنائے باطنی کا مطلب تو یہ ہے کہ دنیا نہ ملے گی مگر جی میں ٹھنڈک پڑ جائے گی۔ ارے ظالم غنائے ظاہری تو غنائے باطنی ہی کے لئے مطلوب ہے۔ اگر وہ بغدادی صاحب یوں کہدیتے کہ پہلے غنائے باطنی حاصل ہوگا پھر غنائے ظاہری بھی حاصل ہوجائے گا تو شاید حکیم صاحب کچھ وقعت کرتے۔

## ترکِ دنیا کی حقیقت

تو حاصل یہ ہے کہ وہ ترک دنیا معتبر نہیں جس میں مقصود طلب دنیا ہو۔ واقعی ترک دنیا وہ ہے جس سے مقصود بھی ترک دنیا ہو۔ پس ایسے ترک سے دنیا سایہ کی طرح ساتھ ساتھ رہتی ہے۔ بہرحال ثابت ہوگیا کہ دنیا ظل ہے آخرت کا(۱)۔ حدیث شریف میں ہے: (مَنْ جَعَلَ هُمُوْمَهُ هَمًّا وَّاحِدًا هَمَّ الْاٰخِرَةِ كَفَاهُ اللّٰهُ

(۱) پس آخرت اختیار کرلو دنیا خود بخود حاصل ہوجائے گی۔

هُـمُـوْمَهٗ كُلَّهَا )یعنی جس نے اپنے تمام افکار کو ایک ہی فکر بنالیا یعنی فکر آخرت اللہ تعالیٰ اس کے تمام افکار کو کفایت فرماتا ہے ومن تشعبت به هموم الدنيا اور جس پر ہموم دنیا نے ہجوم کردیا (لَمْ يَبَالُ اللّٰهُ فِيْ اَيِّ اَوْدِيَةِ هَلَكَ) خدا کو کچھ پرواہ نہیں کہ وہ اس کے کس جنگل میں ہلاک ہوگا۔

بہرحال حدیث سے بھی ثابت ہوگیا کہ ترک دنیا کے بعد دنیا خود حاصل ہوجاتی ہے اور قرآن سے بھی ثابت ہے فرماتے ہیں: ﴿وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا﴾ جو اللہ سے ڈرتا ہے اس کے لئے اللہ تعالیٰ ایک راستہ نکال دیتے ہیں۔

## اسباب کی حقیقت

مگر اس کے یہ معنی نہ سمجھنا کہ نوکری کی ضرورت نہیں رہے گی۔ زراعت وتجارت کی حاجت نہیں رہے گی، اس کے معنی ایک مثال سے واضح ہوجائیں گے۔ زراعت، تجارت، ملازمت کی مثال زنبیل گدائی(۱) کی سی ہے حق تعالیٰ کا معاملہ اکثر سے یہ ہے کہ جو شخص جو زنبیل پھیلاتا ہے حق تعالیٰ اسی میں عطا کرتے ہیں۔ ہاں بعض کو بے زنبیل لائے بھی دیتے ہیں۔ دیکھو دنیا میں بھی دینے کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ کھانا دیدیا مگر شرط یہ کہ اپنا برتن لاؤ، ایک یہ کہ کھانا مع برتن دیدیا۔ پس جس طرح زنبیل لانے پر کھانا ملنے میں معطی (عطا کرنے والا) سب اس جواد ہی کو سمجھتے ہیں زنبیل کو کوئی مؤثر نہیں سمجھتا۔ چنانچہ اس صورت میں اگر کوئی زنبیل سے کھانا نکال کر کہنے لگے کہ یہ تو خود بخود میرے برتن میں سے نکلا کسی نے اس میں ڈالا نہیں تو یہ اس کی حماقت ہے اور اُسے کہا جائیگا ارے بے وقوف برتن میں کیا تھا۔ وہ تو محض ظرف ہے اسی طرح حق تعالیٰ نے بھی کسی مصلحت سے قانون

(۱) فقیر کی تھیلی کی مانند ہے۔

مقرر کردیا ہے کہ اپنا برتن لاؤ اور لے جاؤ تو یہ تجارت وملازمت وزراعت برتن ہیں۔ اب اگر کوئی کہنے لگے کہ خدا نے نہیں دیا یہ تو میری ملازمت یا تجارت یا زراعت سے پیدا ہوا تو جس طرح وہ بیوقوف ہے یہ بھی احمق ہے۔

## قارون کا مذہب

اور یہ تو قارون کا مذہب ہے اور اس نے اپنے مال کو کہا تھا کہ خدا نے نہیں دیا بلکہ ﴿اِنَّمَآ اُوْتِیْتُهٗ عَلٰی عِلْمٍ عِنْدِیْ﴾ میرے پاس ایک ہنر ہے اس کی بدولت مجھے یہ حاصل ہوا۔ بعضوں نے ہنر کی تفسیر میں کہا ہے کہ وہ کیمیا گر تھا۔ بعضوں نے کہا ہے کہ بہت بڑا تاجر تھا۔ بہرحال اپنے مال کو ہنر کی طرف منسوب کرتا تھا تو یہ قارون کا مذہب ہے کہ علت حقیقیہ رزق کی نوکری یا زراعت یا تجارت کو قرار دی خوب سمجھ لو کہ یہ کاسۂ گدائی ہیں (۱)، خدا کی عادت غالبہ یہ ہے کہ برتن لاؤ تو دیں گے، تجارت کرو یا نوکری یا زراعت وہی دیتے ہیں اسباب تو نظر آتے ہیں اور وہ مسبب نظر نہیں آتا۔

## تصرف حق کی حقیقت

عشق من پیداد معشوقم نہاں یار پنہاں فتنۂ او در جہاں (۲)

فتنۂ غلبۂ حال اور جوش میں کہہ گئے مراد تصرف او در جہاں (اس کا تصرف جہان میں ہے یار تو جہان سے باہر ہے۔ مگر اس کا تصرف جہان کے اندر ہے اور وہ خود نظر نہیں آتا۔

اسی کو مولانا فرماتے ہیں۔

(۱) فقیر کے پیالے کی طرح ہے (۲) ''میرا عشق ظاہر ہے اور معشوق پوشیدہ میرا محبوب پوشیدہ لیکن اس کی رعنائیاں سارے جہاں میں پھیلی ہوئی ہیں''۔

ما ہمہ شیراں ولے شیرِ علم جملہ شاں از باد باشد دمبدم(۱)

علم(۲) یا پرچم پر اژدھے یا سانپ یا شیر کی تصویر بنادیتے ہیں تاکہ جس وقت ہوا سے کپڑا ہلے تو وہ حملہ کرتا ہوا معلوم ہو اور اچھا لگے ۔

حملہ شاں پیدا وناپیدا است باد آنکہ ناپیداست ہرگز کم مباد

اُن کا حملہ نظر آتا ہے حملہ کرانے والی (یعنی ہوا) نظر نہیں آتی ۔آگے بطور دعا کے فرماتے ہیں: جو چیز نظر نہیں آتی یعنی مؤثریت حق(۳) وہ ہمارے دل سے کبھی کم نہ ہو۔

اسی طرح ہماری بھی حالت ہے کہ ۔

رشتۂ در گردنم افگندہ دوست مے برد ہر جا کہ خاطر خواہِ اوست

انہوں ہی نے یہ حرکات پیدا کررکھی ہیں (جس طرف چاہتے ہیں متحرک کردیتے ہیں اس کی علّت حقیقیہ دوسرے مقام پر ارشاد فرماتے ہیں ۔

گر بعلم آئیم ما ایوان اوست ورتجہل آئیم ما زندان اوست(۴)

گر بخواب آئیم مستان وتیم وربہ بیداری بدستان وتیم(۵)

یہ تو متعلق حالات ہیں ایک حالت تردد وعدم تعین کی سی شق کی ہے اسے بھی خود ہی فرماتے ہیں

درتردد ہر کہ او آشفتہ است حق بگوش او معمہ گفتہ است(۶)

---

(۱)''ہماری ایسی مثال ہے جیسے پرچم کا شیر ہوتا ہے ہوا چلنے سے حملہ کرتا ہوا معلوم ہوتا ہے یعنی ہمارا تصرف تصرف حق کی وجہ سے ہے''(۲) جھنڈے پر بنا ہوا شیر (۳) حق تعالیٰ کا اس میں اثر پیدا کرنا (۴)''یعنی اگر ہم جہل میں مبتلا ہیں تو یہ ان کا زندان ہے یعنی حق تعالیٰ ہی کا تصرف ہے کہ مجلس جہل سے نہیں نکلے اور اگر علم تک ہماری رسائی ہوجاوے تو یہ بھی اُن کا ہی ایوان ہے کہ درجہ علم ان کے تصرف سے عطا ہوا''(۵)''یعنی اگر سوار ہیں تو ان ہی کے بیہوش کیے ہوئے ہیں اور اگر جاگ اٹھیں تو بھی ان ہی کی گفتگو میں ہیں یعنی یہ قوت بیانیہ ان ہی کی عطا فرمائی ہوئی ہے''(۶)''یعنی جو شخص کسی تردد میں پریشان ہورہا ہے گویا حق تعالیٰ نے اس کے کان میں کوئی معما کہہ دیا ہے''۔

ایک اور بزرگ کہتے ہیں ؎

بگوش گل چہ سخن گفتۂ کہ خندان است بعند لیب چہ فرمودۂ کہ نالان است (۱)

## تصرفات حق تعالیٰ

واقعی یہ سب انہیں کے تصرفات ہیں۔ ہاں تو رزاق نظر نہیں آتا (رزق نظر آتا ہے۔ یہ حضرت یوں سمجھے کہ رازق کوئی ہے ہی نہیں۔ دیکھو مشین ٹکٹ کی ہے کہ دو پیسے ڈالنے سے پلیٹ فارم کا ٹکٹ نکل آتا ہے اب کوئی سمجھے کہ بغیر کسی کے ڈالے ہوئے مشین ہی سے ٹکٹ نکلتے ہیں۔ تم دو تین دن ٹھہر جاؤ اور تمہارے اس غلط خیال کی اطلاع ٹکٹ کلکٹر کو ہوجاوے اور وہ تمہاری اس غلطی کے رفع کرنے کے لئے ٹکٹ نہ ڈالے پھر دیکھیں ٹکٹ کیسے نکلتے ہیں۔ اگر یہی شجر الاٹکاٹ (ٹکٹوں کا درخت) تو اب اس میں سے ٹکٹ کہاں گئے معلوم ہوتا ہے کسی کے ڈالنے سے نکلتے ہیں(۲)۔ اسی طرح تم سمجھتے ہو کہ آنکھوں سے دکھائی اس لئے دیتا ہے کہ مجمع النور سے نور آنکھوں میں آتا ہے، بتلاؤ اگر وہ نور کی نہر خشک ہوجاوے تو کہاں سے لاؤ گے نور۔

فرماتے ہیں: (قُلۡ اَرَاَیۡتُمۡ اِنۡ اَصۡبَحَ مَآءُ کُمۡ غَوۡرًا فَمَنۡ یَّاۡتِیۡکُمۡ بِمَآءٍ مَّعِیۡنٍ) ’’یعنی اگر تمہارا پانی اتر جاوے تو کون اُسے نکال سکتا ہے‘‘۔

## ایک ملحد کی حکایت

ایک ملحد کی حکایت ہے جب اس نے یہ آیت سنی تو براہِ اعتراض کہا کہ ناتی به المعول والمعین یعنی ہم کدال اور مزدوروں کے ذریعہ سے نکال لیں گے

---

(۱) گل سے کیا کہہ دیا ہے خنداں ہورہا ہے اور بلبل سے کیا فرمادیا کہ نالاں ہے (۲) جیسے A.T.M مشین میں سے پیسے نکلتے ہیں کوئی ڈالتا ہے تو نکلتے ہیں۔

لیکن عادت الٰہیہ ہے کہ

حلم حق با تو مواساہا کند چونکہ از حد بگذری رسوا کند(۱)

نہ معلوم کب کی گستاخیاں جمع تھیں دریا انتقام جوش میں آ گیا رات کو یہ حضرت سوئے ایک غیبی فرشتے نے آ کر ایک طمانچہ مارا اور کہا: قد اذھبنا بماء عینك فات به بالمعول والمعین ہم نے تمہاری آنکھوں کا پانی اتار دیا اسے تم لے آؤ کدال اور مزدوروں سے۔ بڑے مغرور تھے مجمع النور(۲) پر یہ نہ دیکھا کہ خود اس مجمع النور میں (۳) نور پیدا کس نے کیا ہے۔

## فلسفیوں کی مثال

ان فلسفیین و دہریین و منجمین کی ایسی مثال ہے کہ جیسی ایک چیونٹی کسی کاتب کے کاغذ پر چلی اس پر حرف بنتے دیکھ کر کہنے لگی کیسے اچھے نقوش بن رہے ہیں۔ دوسری نے کہا یہ خود بخود نہیں بن رہے ہیں بلکہ ایک قلم ہے وہ بنا رہا ہے۔ تیسری نے کہا نہیں قلم نہیں بنا رہا ہے بلکہ قلم ایک ہاتھ میں ہے وہ بنا رہا ہے۔ چوتھی نے کہا نہیں نہیں وہ ہاتھ نہیں بناتا بلکہ وہ ہاتھ ایک کلائی میں لگا ہوا ہے وہ کلائی بنا رہی ہے حتی کہ ایک حقیقت تک پہنچ گئی کہ اُس نے کہا نہیں وہ ایک شخص کا ہاتھ ہے وہ شخص بنا رہا ہے۔ تو فلاسفہ میں پہلی چیونٹی کی طرح حقیقت سے بالکل دور اور سب سے بدتر دہریین اہل سائنس ہیں۔ اس کے بعد دوسری چیونٹی کی طرح نجومی ہیں کہ یہ افلاک و نجوم کو متصرف سمجھتے ہیں اور عاقل اور حقیقت شناس ابراہیمی المشرب (۵) لوگ ہیں یعنی اہل ایمان ہیں کہ وہ منبع ہیں ابراہیم علیہ السلام کے۔

(۱) ''اللہ تعالیٰ کی بردباری تمہارے ساتھ مواسات یعنی رعایت کرتی ہے جب تمہاری گستاخیاں حد سے بڑھ جاتی ہیں تو رسوا کرتے ہیں'' (۲) آنکھوں میں موجود نور پر غرور تھا (۳) آنکھوں میں نور پیدا کس نے کیا (۴) حضرت کے طریقہ پر جو لوگ ہیں۔

## ابراہیم علیہ السلام کا مشرب

چنانچہ خود حضور ﷺ کو ارشاد ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کا اتباع کیجئے اور ابراہیم علیہ السلام کا مشرب یہ تھا کہ ﴿ فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ الَّيْلُ رَاٰ كَوْكَبًا ﴾ ''جب رات ہوئی ایک ستارہ کو دیکھا ﴿قَالَ هٰذَا رَبِّيْ ﴾'' تو کہا کہ میں نے فرض کیا کہ یہ رب ہے یہ بطور مجازات خصم (۱) کے فرمایا ﴿فَلَمَّآ اَفَلَ ﴾ جب وہ چھپ گیا ﴿قَالَ لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ ﴾ وہ خدا کیسا جس کو زوال ہو میں ایسے خدا کو پسند نہیں کرتا ﴿فَلَمَّا رَءَ الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هٰذَا رَبِّيْ ﴾ ''جب چاند کو دیکھا تو کہا فرض کرو کہ شاید یہ ہو رب ﴿فَلَمَّآ اَفَلَ ﴾ جب وہ بھی ڈھل گیا ﴿ قَالَ لَئِنْ لَّمْ يَهْدِنِيْ رَبِّيْ لَاَكُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّآلِّيْنَ ﴾ ''فرمایا کہ اگر مجھ کو میرا رب ہدایت نہ کرتا رہے تو میں گمراہ لوگوں میں شامل ہوجاؤں'' معلوم ہوا یہ بھی خدا نہیں ﴿ فَلَمَّا رَءَ الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّيْ هٰذَآ اَكْبَرُ ) ''جب سورج کو دیکھا تو کہا یہ سب سے بڑا ہے اگر اس کی خدائی باطل کردی تو سب کو پکڑ لیا'' ﴿فَلَمَّآ اَفَلَتْ قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ اِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴾(۲) ''سو جب وہ بھی غروب ہوگیا آپ نے فرمایا اے قوم بیشک میں تمہارے شرک سے بیزار ہوں، میں اپنا رخ اس کی طرف کرتا ہوں جس نے آسمانوں کو اور زمین کو پیدا کیا اور میں شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں''۔

حضرت اسی طرح ہر مومن کی نظر مصداق اس قول کا ہے۔

اول ما آخر ہر منتہی است

''ہر منتہیٰ کا آخر ہماری ابتدا ہے''

(۱) مخالفین کے خیال کے پیش نظر (۲) الانعام: ۷۸۔۸۹۔

یعنی اول ہی قدم میں (لَا اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰـہُ لَا مَوْجُوْدَ اِلَّا اللّٰہُ۔ لَا قَادِرَ اِلَّا اللّٰـہُ ۔ لَا خَالِقَ اِلَّا اللّٰہُ ) ''بجز اللہ کے کوئی موجود نہیں، بجز اللہ کے کوئی معبود نہیں بجز اللہ کے کوئی قادر نہیں بجز اللہ کے کوئی خالق نہیں''۔

حاصل ہو جاتا ہے ہمیں پہلے ہی قدم میں جناب رسول مقبول ﷺ نے بتلا دیا۔ جہاں تک یہ لوگ سینکڑوں ٹھوکروں میں بھی نہیں پہنچے۔ اب اہلِ ایمان سے زیادہ محقق کون ہوسکتا ہے۔ سو یہ مذہب دہریین کا ہے کہ ہمارے کسب میں قوت ہے۔

## حقیقی معطی

ہم تو کہتے ہیں کہ اگر کسب ہی علّت تامہ (سبب کامل) ہے تو ہم ایک ایسے شخص کی سوانح عمری پیش کرسکتے ہیں جو چھ پیسے روز کی مزدوری کرتا تھا اُپلے(۱) ڈھوتا تھا۔ ایک حالت اس پر آئی کہ وہ لکھ پتی ہوگیا۔ ہم اس سے پوچھتے ہیں کہ تم نے کیونکر ترقی کی اس نے اپنی تمام سوانح عمری بتانا شروع کی۔ کہ پہلے چھ پیسے روز کا مزدور تھا۔ پھر ترقی کرتے کرتے چھ آنے روز کا ہوا۔ پھر آٹھ آنے کا ہوا پھر نوکری کرلی پھر ٹھیکے لینا شروع کئے اس طرح کرنے سے میں بیس برس کے اندر لکھ پتی بن گیا۔ اب اس کی تمام سوانح عمری لکھ لو اور کسی ایسے شخص کو جو اس سے دوگنا کماتا ہو اسی طرح عمل کرا کے تم چالیس برس میں ہزار پتی ہی بنا کے دکھلا دو۔ ہرگز نہیں بنے گا۔ کیوں صاحب اگر تدبیر علّت تامہ ہے تو معلول (وہ چیز جس کا کوئی سبب ہو) تو علّت (سبب) کے ساتھ دائر (پھرنے والا) ہوتا ہے یہ کیا کہ یہاں معلول متخلف (پیچھے رہنے والا) ہوگیا اپنی علت سے حقیقت میں معطی (عطا کرنے والا) وہ ہیں مگر حکمت سے دیتے ہیں۔ وہی دیتے ہیں، وہی پکاتے ہیں۔ تم سمجھتے ہو

(۱) گائے کے گوبر سے بنائی گئی تھاپیاں جو آگ جلانے کے کام آتی ہیں۔

کہ آگ پکاتی ہے، اگر آگ پکاتی ہے تو اس نے ابراہیم علیہ السلام کو کیوں نہ پکا دیا۔

## بے دین بادشاہ کی حکایت

ایک بددین بادشاہ کی حکایت مولانا نے تحریر فرمائی ہے کہ وہ مسلمانوں کو بت کے سجدہ نہ کرنے پر آگ میں ڈالتا تھا۔ ایک عورت کو کہا بت کو سجدہ کرو ورنہ تیرے بچے کو اس آگ میں ڈالدوں گا۔ اُس نے سجدہ نہ کیا۔ پھر اس کے بچے کو آگ میں ڈالدیا اور وہ عورت لغزش (۱) کے قریب ہوگئی تو وہ بچہ آگ میں سے کہتا ہے ؎

خواست تا او سجدہ آرد پیش بت　　بانگ برزد طفل کَاَنِّیْ لَمْ اَمُتْ (۲)
اندرآ اسرار ابراہیم بین　　گودر آتش یافت وردو یاسمین (۳)

وہ بھی اندر کود پڑی اور کہنے لگی ؎

اندر آید اے مسلمانان ہمہ　　پیش عذب دین عذاب است آں ہمہ

اے مسلمانو! اندر آ کر خدا کی رحمت کا تماشا دیکھو، پھر تو جوق در جوق تمام مسلمان اس میں گرنے لگے پہلے تو سپاہی دھکیلتے تھے۔ اب لوگوں کو پکڑتے ہیں روکتے ہیں کوئی رُکتا نہیں۔ رعایا میں ایک جوش تھا۔ بادشاہ ڈرا کہ سلطنت چلی۔ پھر بادشاہ نے جھلا کے آگ سے کہا کہ کیا تو آگ نہیں رہی آگ جواب دیتی ہے ؎

گفت آتش من ہمانم آتشم　　اندر آتا تو بہ بینی تابشم (۴)

ہوں تو آگ مگر ؎

تیغ حقم ہم بدستورے برم

''اللہ تعالیٰ کی تلوار ہوں اجازت ہی سے کاٹ سکتی ہوں''

(۱) وہ عورت کچھ متزلزل ہوئی (۲) ''اس عورت نے چاہا کہ بت کے روبرو سجدہ کرلوں فوراً لڑکے نے پکارا کہ میں مرا نہیں ہوں'' (۳) ''کہ اے ماں تو بھی اندر چلی آ اور دیکھ تو کہ یہ آگ نہیں گلزار ابراہیمی ہے'' (۴) ''آپ تشریف لایئے معلوم ہوجاوے گا کہ آگ ہوں یا نہیں''۔

مولانا اس سے نتیجہ نکالتے ہیں ۔

خاک و بادو آب وآتش بندہ اند بامن و تو مردہ باحق زندہ اند(۱)

## ہر چیز اللہ کے حکم کے تابع ہے

سب یہ حکم سنتے ہیں اسی کے موافق کرتے ہیں خدا تعالیٰ نے آسمان وزمین سے فرمایا کہ (اِئْتِیَا طَوْعًا اَوْ کَرْھًا) خوشی سے آتے ہو یا ہم زبردستی بلائیں۔عرض کیا (اَتَیْنَا طَاعِیْنَ) خوشی سے حاضر ہوگئے۔تم سمجھتے ہو زمین میں جان نہیں۔زمین میں تو ایسی جان ہے کہ ہم میں تم میں بھی نہیں کہ کھودنے کھادنے کاٹنے سے دکھ ہو، بعضے جہلا کہا کرتے ہیں کہ زمین پر آہستہ چلو نہیں تو یہ بدلہ لیگی۔ یا تو یہ کہ بالکل جان نہیں یا ہے تو ایسی کہ وہ زور سے چلنے سے بدلہ لے گی۔زمین میں جان اتنی ہے کہ جن چیزوں کا ادراک خدا نے اس کو دیا ہے ادراک کرتی ہے جن کا نہیں دیا نہیں کرتی۔ دیکھو مفلوج (جس کو فالج کی بیماری ہو) کے بدن میں جان ہوتی ہے مگر چاقو سے کاٹو تو تکلیف نہیں ہوتی۔پس اگر زمین کے اندر جان ہو اور تکلیف نہ ہو تو کوئی اشکال نہیں۔ بہرحال ان میں بھی اتنی جان ہے کہ خدا کو جانتی ہیں۔﴿ کُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلٰوتَہٗ وَتَسْبِیْحَہٗ ﴾(۲)''سب کو اپنی اپنی دعا اور اپنی تسبیح معلوم ہے'' بلکہ انسانوں میں تو ذاکر بھی ہیں غافل بھی ہیں۔اور ان میں سب ذاکر ہی ہیں گو ذاکر انسانوں کے برابر نہ سہی مگر غافل انسانوں سے تو بہتر ہیں۔

## کوئی چیز مؤثر بالذات نہیں

تو آگ خود فعل نہیں کرتی یہ بھی حق تعالیٰ کا فعل ہے کہ کھانا پکادیا اور آگ

(۱)''خاک، ہوا، پانی، آگ یہ چاروں عنصر حق تعالیٰ کے بندے ہیں ہمارے تمہارے روبرو گو مردہ ہیں مگر حق تعالیٰ کے روبرو زندہ ہیں''(۲) النور:۴۱۔

کا تلبس محض ایک ظاہری امارت ہے(۱) (نشان) اس کی محققین کے نزدیک ایسی مثال ہے کہ جیسے جھنڈی ریل کے کھڑے ہونے کے اعتبار سے کہ سرخ جھنڈی دکھائی اور ریل کھڑی ہوگئی۔ کیا جھنڈی ریل کو روک سکتی ہے۔ بلکہ آسانی کے واسطے ایک اصطلاح مقرر کی ہے کہ کہاں چیخیں گے کہ روکو، بلکہ یہ محض ایک علامت ہے باقی روکتا تو ڈرائیور ہے جو تمہیں نظر نہیں آتا۔

عشق من پیداؤ معشوقم نہاں یار بیروں فتنۂ او در جہاں(۲)
چرخ کو کب یہ سلیقہ ہے ستمگاری میں کوئی معشوق ہے اس پردۂ زنگاری میں
کار زلف تست مشک افشانی اما عاشقاں مصلحت را تہمتے بر آہوئے چیں بستہ اند(۳)
کہاں میں اور کہاں وہ نکہتِ گل نسیم صبح تیری مہر بانی

## دعائے فعلی

بہرحال جیسے وہاں جھنڈی میں اثر نہیں یہاں بھی آگ میں اثر نہیں جیسے وہاں اصطلاح ہے یہاں بھی اصطلاح ہے۔ جس طرح وہ نشانی ہے کہ جب گاڑی رُکوانا ہو دکھادو ڈرائیور روک دے گا۔ اسی طرح یہ بھی ایک نشانی ہے جب کھانا پکوانا ہو آگ پر رکھدو پس وہ پکادیں گے یہ دعائے فعلی ہے(۴) دعائے قولی تو شاید ہر ایک سے نہ ہوسکتی اس لئے اپنی رحمت سے دعائے فعلی مقرر کی جس میں سب کافر بھی محتاج ہیں۔ مگر ان اسباب میں پھنس کر بہت سے لوگ اپنے کو خدا کا محتاج ہی نہیں سمجھتے۔

(۱) آگ کے چھونے سے کھانے کا پک جانا یہ ایک ظاہری علامت ہے (۲) یار تو جہاں سے باہر مگر اس کا تصرف جہان کے اندر ہے اور وہ خود نظر نہیں آتا'' (۳) ''یعنی مشک افشانی محبوب کے زلف کا کام ہے لیکن عشاق نے مصلحت کی وجہ سے چین کے ہرنوں کے سر منڈھ دی ہے'' (۴) اللہ تعالیٰ سے کھانا پکانے کی یہ عملی دعا ہے۔

## رب العزت کا حلم

چنانچہ میرے ایک دوست نماز روزہ کے پابند تھے اور دعا مانگا کرتے تھے تو ان کے ایک عزیز صاحب کہتے ہیں ''ابے سُسرے تو جو ہاتھ پسار پسار کر مانگے ہے کیا تجھے کچھ گھاٹا ہے'' ہاں جب سب چیز گھر میں موجود ہے تو کیوں ناحق کا احسان خدا تعالیٰ کا لیتا ہے۔ یہ مسلمان ہیں خدا بچاوے ایسے جہل سے مگر سبحان اللہ وہ سب سنتے ہیں کیا رحمت ہے کہ پھر بھی کارکنوں کو حکم ہے کہ دو ؎

خدائے راست مسلم بزرگواری وحلم        کہ جرم بیندوناں برقرار میدارد(۱)

مجھے ایک طالب علم کی حکایت یاد آئی کہ جب میں کانپور کے مدرسہ میں تھا تو میں نے کسی بات پر ان کی روٹی بند کردی تھی تو مجھے انہوں نے ایک رقعہ لکھا اور اس میں یہ شعر لکھا ؎

خدائے راست مسلم بزرگواری وحلم        کہ جرم بیند وناں برقرار میدارد

میں نے لکھا کہ اس میں تو تم نے خود ہی جواب دیدیا۔ مجھے سوچنے کی بھی تکلیف نہیں ہوئی کہ یہ تو خدا ہی کا کام ہے کہ باوجود جرم قصور کے بھی رزق بند نہیں کرتا۔ خیر یہ تو ایک لطیفہ ہے۔ مقصود یہ ہے کہ ان کی شان تو دیکھو کہ کیسی کیسی گستاخیاں سنتے ہیں مگر پھر بھی حکم ہے کہ دو بہرحال کوئی چیز مؤثر حقیقی نہیں ؎

نبارد ہوا تانہ گوئی ببار        زمیں ناورد تا نہ گوئی بیار(۲)

پانی پیاس نہیں بجھاتا وہی بجھاتے ہیں۔ ورنہ وہی پانی ہے مستسقی (جلندر روالا) کی پیاس کیوں نہیں بجھاتا۔ پس اچھی طرح ثابت ہوگیا کہ موثر حقیقی

(۱) ''یعنی حق تعالیٰ ہی کی بزرگواری اور بردباری مسلم ہے کہ گناہ دیکھتے ہیں اور رزق بند نہیں فرماتے'' (۲) ''جب تک ہوا حق تعالیٰ کا حکم نہیں پاتی پانی نہیں برساتی، اور جب تک زمین کو حکم نہیں کچھ نہیں اُگاتی''۔

حق تعالیٰ ہی ہیں۔

## اطمینان قلب

باقی ملازمت، تجارت، زراعت ذریعے ہیں حق تعالیٰ سے لینے کے اس واسطے توکل کے بھروسے نوکری مت چھوڑ دو۔ بلکہ زنبیل(۱) رکھو اور خدا سے مانگو۔ باقی یہ جو میں نے کہا تھا کہ جو تارک دنیا ہوتا ہے دنیا اس کے پیچھے پیچھے پھرتی ہے مطلب یہ ہے کہ جو خدا کی اطاعت کرتا ہے اُسے دنیا ضرور ملتی ہے خواہ مع برتن یا بلا برتن۔ چنانچہ اہلِ اسباب کو روزانہ برتن لیجانا پڑتا ہے اور اہلِ توکل کو بدون برتن لیجائے ہوئے ملتا ہے اور اگر تمہیں بہت سے اہل اللہ کو دیکھ کر شبہ ہوتا ہو کہ ان کے پاس تو دنیا نہیں ہے تو بات یہ ہے کہ دنیا سے مقصود کیا ہے مقصود یہ ہے کہ پریشانی نہ ہو۔ سو اہل اللہ کو پریشانی نہیں ہوتی۔ یہ مشاہدہ بھی ہے اور ارشاد بھی ہے: ﴿فَلَنُحۡيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً﴾ (۲) ''ہم اس کو بالطف زندگی عطا کریں گے'' پس ان کو پریشانی نہیں ہوتی خواہ روپیہ ہو یا نہ ہو ہر وقت اطمینان ہے۔ ان کا تو مذاق ہی دوسرا ہو جاتا ہے۔ وہ کیا مذاق ہے وہ یہ مذاق ہے کہ ایک مرتبہ حضرت بہلول رحمۃ اللہ علیہ قبرستان میں ایک قبر میں پیر لٹکائے بیٹھے تھے کسی نے عرض کیا کہ حضرت اناج بہت مہنگا ہو گیا ہے۔ مخلوق بہت تکلیف میں ہے۔ فرمایا اس سے کہو جسے بانٹنا پڑتا ہے ہمیں تو جو کام بتلا رکھا ہے اس کا کر لینا ضروری ہے۔ یہ تو انہیں اطلاع کرو جنہیں بانٹنا پڑے گا۔ یہ مذاق ہے کہ ہمیں کیا فکر۔

## اہل اللہ کا حال

ایک اور بزرگ سے ایک مرتبہ یہ بہلول خود سائل ہوئے۔ کہ حضرت

(۱) نوکری کی ٹوکری ساتھ رکھو اور اللہ سے مانگو (۲) النحل: ۹۷۔

کیسا مزاج ہے۔ فرمایا کیا پوچھتے ہو اس شخص کے مزاج کو کہ کوئی واقعہ دنیا کا جس کی خواہش کے خلاف نہ ہوتا ہو۔ ہماری وہ شان ہے کہ ہر بات ہمارے چاہنے کے موافق ہوتی ہے۔ عرض کیا حضرت یہ بات تو سمجھ میں نہیں آئی۔ بھلا فلاسفہ اسے حل تو کریں بڑا عقل کا دعویٰ ہے۔ انہوں نے فرمایا بڑی آسان بات ہے۔ عالم میں جو کچھ ہوتا ہے وہ خدا کی خواہش کے خلاف تو نہیں ہوتا۔ بس جس نے اپنی خواہش کو خدا کی خواہش میں فنا کر دیا ہو تو جیسا کوئی واقعہ خدا کی خواہش کے خلاف نہیں اُس کی خواہش کے خلاف نہیں۔

## احمد رفاعی رحمۃ اللہ علیہ کا حال

حضرت احمد رفاعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے عالم ارواح میں سب سے فرمایا کہ مانگو کیا مانگتے ہو، جو جس کو مانگنا تھا اس نے مانگا۔ جب میری باری آئی اور مجھ سے ارشاد ہوا کہ مانگ کیا مانگتا ہے تو میں نے عرض کیا اُرِیۡدُ ان لا اريد او اختار ان الاختار میں یہی مانگتا ہوں کہ کچھ نہ مانگوں، پھر فرماتے ہیں: فاعطانی مالاعين رأت ولا اذن سمعت وما خطر علیٰ قلب بشر من اهل هذا لعصر پھر تو مجھے وہ کچھ دیا جو نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سنا۔ نہ کسی بشر کے قلب میں گذرا اس عصر (۱) والوں میں سے۔ سو حاصل یہ ہے کہ جن کا یہ مذاق ہوا نہیں پریشانی کیوں ہو۔

## اہل اللہ اور اہل دنیا میں فرق

اور پریشانی نہ ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ وہ بیمار نہیں ہوتے یا ان پر مقدمہ نہیں ہوتا یا انہیں فاقہ نہیں ہوتا۔ اگر بزرگی کے یہ معنی ہوتے تو ساری دنیا تسبیح لیکر

(۱) اس زمانے والوں میں سے۔

بیٹھ جاتی، حضرت ایسا تو بڑے بڑے انبیاء کے لئے بھی نہیں ہوا۔ اُن پر بڑی بڑی مصیبتیں آئیں۔ ایک فرعون تھا کہ ساری عمر کبھی دردسر بھی نہیں ہوا۔

ایک جناب رسول اللہ ﷺ ہیں کہ دو دو مہینے چولہا گرم نہیں ہوا۔ ہنڈیا نہیں چڑھی۔ کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ فرعون کو ظاہری تکلیف نہ ہونے سے فضیلت ہوگئی۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ یہ بیمار ہوتے ہیں تو انہیں یہ خیال نہیں ہوتا کہ ہائے بیماری بڑھ جائے گی تو کیا ہوگا۔ ہائے مقدمہ اگر ہائیکورٹ سے بھی ہار گئے تو پھر کیا ہوگا ہائے کل کھانے کو نہیں تو دن کیونکر کٹے گا۔ یہ حالت ان کی نہیں ہوتی۔ انہیں ہر حال میں سکون واطمینان رہتا ہے بخلاف دنیا داروں کے کہ ان کی کیفیت حق تعالیٰ بیان فرماتے ہیں: ﴿ فَاَمَّا الْاِنْسَانُ اِذَا مَا ابْتَلٰهُ رَبُّهٗ فَاَكْرَمَهٗ وَنَعَّمَهٗ ۙ فَيَقُوْلُ رَبِّيْٓ اَكْرَمَنِ وَاَمَّآ اِذَا مَا ابْتَلٰهُ فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهٗ فَيَقُوْلُ رَبِّيْٓ اَهَانَنِ ﴾(۱)

انسان بھی عجب چیز ہے۔ جب کھانے کو دیدیا تو سمجھتا ہے میں مقرب ہوگیا۔ اور جب تنگی ہو تو سمجھتا ہے میں مردود ہوگیا۔

میرے پاس ایک اسکول کے مدرس کا خط آیا اس میں لکھا تھا کہ جتنی عبادت کرتا ہوں پریشانی بڑھتی جاتی ہے۔ تو گویا یہ عبادت روٹیاں ملنے کے لئے کرتے ہیں ؎

نان از برائے کنج عبادت گرفتہ اند صاحبدلاں نہ کنج عبادت برائے نان(۲)

(۱) ''سو انسان کو جب اس کا پروردگار آزماتا ہے یعنی اس کو ظاہر اکرام انعام دیتا ہے تو وہ بطور فخر کہتا ہے کہ میرے رب نے میری قدر بڑھادی اور جب اس کو دوسری طرح آزماتا ہے یعنی اس کی روزی اس پر تنگ کردیتا ہے تو وہ بطور شکایت کے کہتا ہے کہ میرے رب نے میری قدر گھٹادی'' سورۃ الفجر: ۱۵۔۱۶ (۲) ''اہل اللہ نے روٹی عبادت کی وجہ سے لی ہے نہ عبادت روٹی کے لئے کی ہے''۔

یہ عبادت نہیں بلکہ بقول گاؤں والوں کے ابابت ہے۔ وہ لوگ عبادت کو ابابت کہتے ہیں تو ابابت کے کیا معنی۔ کچھ بھی نہیں لفظ مہمل ہے۔ تو اس کے معنی عبادت مہملہ ہوئے تو ان کی عبادت مہمل ہے جو روٹی کے واسطے کرتے ہیں۔

## اہل اللہ کے علوم

بہرحال یہ تقریر اس کی تائید میں بڑھی کہ دنیا ظل ہے آخرت (۱) کا اسی طرح مصالح دنیا تابع ہیں مصالح آخرت کے پس نماز جماعت کی یہ اصلی غرض نہیں کہ باہم اتفاق ہو۔ یہ تو عرض ہے۔ اصلی غرض تو یہ ہے کہ خدا راضی ہو۔ اسی طرح تمام احکام میں بس ساری مصلحت تو یہی ہے کہ خدا راضی ہو آجکل کے خیر خواہانِ قوم روشن دماغ حضرات کا عجیب مذاق ہے کہ جو صاحب علم مصالح احکام بیان کرے اس کو تو سمجھتے ہیں کہ یہ کچھ جانتے ہیں اور جو نہ بیان کرے تو کہتے ہیں یہ خشک اور ٹھوس ہیں کچھ نہیں جانتے، یاد رکھو کہ وہ جانتے سب کچھ ہیں مگر ایک بات تو یہ ہے کہ ؎

آنرا کہ خبر شد خبرش باز نیامد

''یعنی جن کو اسرار وحکم کی خبر ہوگئی وہ کسی سے نہیں بیان کرتے''

دوسری بات یہ ہے کہ ؎

فی طلعة الشمس ما یغنیك عن زحل

''آفتاب کے دیکھنے میں زحل (۱) کی طرف دیکھنے سے بے پرواہ ہو''

اگر کوئی کہے تو آفتاب کو دیکھتا ہے زحل کو نہیں دیکھتا تو اس سے یہی کہا جائیگا کہ ہم قصداً اس کو نہیں دیکھتے پس مصلحت رضائے حق کے ساتھ دوسرے

(۱) آخرت کا عکس ہے (۲) ایک ستارہ ہے۔

مصالح کو وہ نسبت ہے جو آفتاب کے ساتھ زحل کو ورنہ ان حضرات کے علوم کے سامنے ان مصالح حکمیہ میں کونسا غموض ہے(۱) اُن کے علوم کی تو یہ کیفیت ہے کہ ؎

بینی اندر خود علوم انبیاء بے کتاب و بے معید واوستا(۲)

جس کی یہ شان ہو اس سے یہ مصالح کیا مخفی رہیں گے مگر بیان کا اس لئے اہتمام نہیں کرتے کہ ؎

مصلحت نیست کہ از پردہ بروں اُفتد راز
ورنہ در مجلس رنداں خبرے نیست کہ نیست (۳)

یعنی مصلحت نہیں ہے ظاہر کرنا ورنہ وہ ہر چیز کی مصلحت جانتے ہیں اور عدم اظہار میں یہ مصلحت ہے کہ لوگ اس کو مدار حکم سمجھ کر اس میں شبہ پیدا ہونے سے اصل حکم میں شک کرنے لگتے ہیں۔ پس اس نکتہ کے سبب وہ جو جدا جدا مصلحت نہیں بیان کرتے آپ سمجھتے ہیں کہ نہیں جانتے۔ جانتے سب کچھ ہیں مگر ان کی نظر ایسی چیز پر ہے جس میں یہ سب مصلحتیں کھپ گئیں جسے مصلحتاً کہنا چاہیئے جیسے شیخ سعدی کا گالا مشہور ہے۔

## شیخ سعدی کا گالا

یہ کہیں سفر میں گئے تھے سرائے میں جا کر بھٹیاری سے کھانا پکانے کو کہا اس نے کہا میاں مجھے فرصت نہیں ہے دوسری بھٹیاری کی گالیاں مجھ پر چڑھی ہوئی ہیں وہ اُتارنا ہیں۔ انہوں نے کہا تم میری روٹی پکادو میں تمہاری طرف سے لڑلوں گا۔ وہ راضی ہوگئی اور اس سے جا کر کہا یہ میرا منیجر ہے میری طرف سے تیری

(۱) پوشیدگی ہے (۲) ''یعنی ان کے قلوب پر انبیاء جیسے علوم بے کتاب واستاد کے فائض ہوتے ہیں'' (۳) ''مصلحت نہیں ہے کہ راز آشکارا ہوجائے ورنہ رندوں کی مجلس میں کوئی ایسی خبر نہیں کہ نہ معلوم ہو''۔

گالیوں کے جواب یہی دیگا اس نے بھی منظور کرلیا۔ باہم یہ شرط قرار پائی تھی کہ نئی گالیاں دینی ہوں گی۔ اس بھٹیارن کی باری تھی۔ اس نے گالیاں دینا شروع کیں۔ انہوں نے کہا بکے جا جتنی تجھ سے ہوسکیں دیئے جا۔ میں اخیر میں سب کا جواب دونگا۔ وہ گالیاں دیتی رہی یہ تسبیح پڑھتے رہے۔ جب وہ گالیاں دیتے دیتے تھک گئی تو اب شیخ سعدی کی باری آئی۔ انہوں نے کہا سن جتنی گالیاں تونے اس وقت دی ہیں یا اس سے پہلے دے چکی ہے اور جتنی اور لوگ دنیا میں دے چکے ہیں یا آئندہ دیں گے سب کا ایک گالا بنا کر تیرے حوالے کیا۔ یہاں بھی طالب علمی سے کام لیا کہ تمام احتمالات عقلی پیش کردیئے۔ اب جب وہ کوئی گالی دیتی تو کہدیتے کہ یہ تو اسی میں کی ہے اور لاؤ۔ یہ اول طے ہی تھا کہ نئی ہو۔ بس وہ عاجز ہوکر اپنا سا منہ لیکر چلی گئی تو جیسا وہ گالا تھا کہ دنیا بھر کی گالیاں اس میں مدغم(۱) تھیں۔ اسی طرح ایک مصلحتاً ہے کہ سارے جہان کی مصلحتیں اس میں سمائی ہوئی ہیں اور وہ ہے ؎

مصلحت دید من آنست کہ یاران ہمہ کار بگذارند وخم طرۂ یارے گیرند(۲)

## مسلمانوں کا مذاق

بس ایک کو لے لو ؎

یکے دان ویکے بین ویکے گو

''یعنی ایک ہی جانو ایک ہی دیکھو ایک ہی کہو''

بس بڑی مصلحت یہ ہے کہ ان کا حکم ہے اس کے کرنے سے وہ راضی

(۱) دنیا بھر کی گالیاں اس ایک گالے میں سما گئیں (۲) ''مصلحت یہ ہے کہ سارے جہان کی مصلحتوں کو چھوڑ کر دوست محبوب حقیقی کی طرف متوجہ ہوجائیں''۔

ہوں گے بس اس کے آگے ساری مصلحتیں گرد ہیں مسلمان کا تو وہ مذہب ہونا چاہیئے کہ جیسا ایک غلام کو اس کے آقا نے خریدا تھا اور اس سے پوچھا تمہارا کیا نام ہے؟ اس نے کہا جو حضور تجویز کریں۔ کیا کھاتے ہو؟ جو حضور کھلائیں۔ کیا پہنتے ہو؟ جو حضور پہنائیں ۔

زندہ کنی عطائے تو ور بکشی فدائے تو دل شدہ مبتلائے تو ہر چہ کنی رضائے تو(۱)

## عاشق کا مذہب

بس عاشق کا یہ مذہب ہونا چاہیے۔ عشاق کی نظر مصلحت پر نہیں ہوتی کوئی شخص کسی عورت پر عاشق ہوجائے۔ وہ کہے پاندان اٹھالاؤ اور ہم پان لگائیں گے یہ اٹھا کر لے چلا کسی نے پوچھا پاندان کیوں لئے جاتے ہو تو گو اسے مصلحت معلوم ہے کہ پان لگانے کے لئے منگایا ہے مگر یہی کہے گا کہ معشوقہ کا حکم۔ اس نے کہا لے جاؤ اب ہم لگا چکے۔ لے چلا پوچھا کیوں لے چلے یہی کہے گا کہ حکم۔ اگر یہ نہ کہے اور مصلحت بیان کرے تو وہ عاشق نہیں حکیم ہے۔

## مسلمان کی شان

مسلمان وہ ہے جس میں عشق وحکمت دونوں ہوں۔ ورنہ فلاسفہ یونان اور ایک مسلمان میں کیا فرق۔ اگر عشق نہیں اور نری حکمت پر عملدرآمد ہے تو ایسے شخص کے ایمان کا بھروسہ نہیں۔ دیکھو شیطان عابد تھا عاشق نہ تھا۔ آٹھ لاکھ برس کی عبادت ذراسی حرکت میں خاک میں مل گئی۔ اور ذراسی اس معنی کو کہتا ہوں کہ نہایت سہولت سے اس سے صادر ہوگئی ورنہ فی نفسہ تو بہت بڑی حرکت تھی اور اتنی

(۱) ''یعنی گر زندہ رکھیں تو آپ کی عطا ہے اور اگر قتل کریں آپ کا عاشق ہوں دل آپ پر فریفتہ ہوگیا جو کچھ تصرف کریں ہر حال میں آپ سے راضی ہوں''۔

بڑی تھی کہ اتنی عبادت گئی اور ہمیشہ کے لئے شقی لعین (۱) جہنمی ہوا۔ وہ حرکت یہ تھی کہ حکم ہوا آدم کو سجدہ کرو تو کہتا ہے: ﴿ءَاَسْجُدُ لِمَنْ خَلَقْتَ طِيْنًا﴾ (۲) میں ایسے کو سجدہ کروں جو خاک سے مخلوق ہے۔ خدا کے سامنے کمبخت نے نیچریت بگھاری (۳) کہ عقل کے خلاف ہے میں اس کو سجدہ کروں حکمت سے کام لیا، عشق سے کام نہ لیا برباد ہوا اسی کو مولانا عراقی کہتے ہیں ؎

صنما رہ قلندر سزدار بمن نمائی کہ دراز ودور بینم رہ ورسم پارسائی (۴)

ورنہ بدون اس کے اعمال کی تو یہ حالت ہے ؎

بز میں چو سجدہ کردم زز میں ندا برآمد کہ مرا خراب کردی تو بسجدۂ ریائی (۵)

بطواف کعبہ رفتم بحرم رہم ندادند کہ برون درچہ کردی کہ درون خانہ آئی (۶)

مگر اس طریق میں لوہے کے چنے چبانا پڑتے ہیں۔ ہلاکت پر آمادہ ہونا پڑتا ہے ؎

اگر مرد عشقے گم خویش گیر وگرنہ رہ عافیت پیش گیر (۷)

ایک موت کیا ہزار موت کی بھی پرواہ نہیں بلکہ اگر کسی اور پر بلا کو آتے دیکھتا ہے تو گھبرا کر کہتا ہے ؎

نہ شود نصیب دشمن کہ شود ہلاکت تیغت سر دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی (۸)

سو یہ حالت ہوتی ہے طریق عشق میں۔ اگر یہ نہیں تو ایمان کا بھروسہ

(۱) ہمیشہ کے لئے بدبخت لعنتی اور جہنمی بنا (۲) الاسراء: ۶۱ (۳) عقلمندی کا اظہار کیا (۴) ''نری پارسائی بدون محبت کے بڑی دور کا رستہ ہے۔ عشق کا رستہ مجھے بتلا دیجئے'' (۵) یعنی جب زمین پر میں نے سجدہ کیا تو زمین سے یہ ندا آئی کہ تو نے سجدہ ریائی کر کے مجھ کو بھی خراب کر دیا'' (۶) ''یعنی خانہ کعبہ کے طواف کے لئے گیا تو حرم کا راستہ مجھے نہ دیا تو نے دروازہ کے باہر کیا کیا ہے جو گھر کے اندر آتا ہے'' (۷) ''یعنی اگر عاشق ہے تو محبوب کے عشق میں اپنے آپ کو فنا کر ورنہ اپنی آسائش کی راہ اختیار کر'' (۸) ''یعنی دشمن کا ایسا نصیب نہ ہو کہ آپ کی تیغ کا کشتہ بنے دوستوں ہی کا سر سلامت رہے کہ ان پر آپ کے خنجر کے وار ہوں''۔

نہیں۔ خود جناب رسول مقبول ﷺ فرماتے ہیں: (لا یؤمن احدکم حتی اکون احب الیہ من والدہ وولدہ والناس اجمعین ) یعنی اس وقت تک کوئی تم میں سے مومن نہیں ہوسکتا جب تک میں اس کے نزدیک اس کے باپ اس کے بیٹے اور تمام آدمیوں سے زیادہ محبوب نہ ہوجاؤں۔

## اس زمانے کے عقلاء کا حال

اس زمانہ میں جو عاقل ہیں۔ عاقل تو کیا ہوتے نرے آکل (کھانے والے) ہیں اس واسطے کہ یہ عقل کی باتیں کبھی نہیں کرتے ہمیشہ اکل (کھانے) کی باتیں کرتے ہیں۔ اور ہر وقت اسی کی دھن اسی کا چرچا اور اسی کا رونا ہے۔ پس اول تو وہاں عقل بھی نہیں اور اگر ہو بھی تو بدون محبت کس کام کی۔ اگر ان میں کچھ اعمال بھی ہیں تو صرف ظاہر تک باقی قلب پر ذرا اثر نہیں۔ بعضے اُن میں قرآن بھی پڑھتے ہیں تو لوگ کہتے ہیں کہ فلاں صاحب باوجودیکہ جنٹلمین ہیں مگر تلاوت کرتے ہیں۔ خود میرے پاس ایک صاحب کا خط آیا لکھا تھا کہ میں باوجودیکہ شکل میں عیسائی ہوں مگر میں نماز بھی پڑھتا ہوں۔ قرآن بھی پڑھتا ہوں۔ اپنی شکل پر فخر بھی ہے۔ یہ تو ایسا ہی ہے کہ باوجودیکہ میں زنانہ ہوں مگر میں رستم کے ساتھ لڑتا ہوں۔ باوجودیکہ میں ہیجڑا ہوں لیکن تلوار ہاتھ میں لے لیتا ہوں، خدا جانے مجھ سے اس واہیات خرافات کے جتلانے سے کیا فائدہ۔ اگر تم شکل میں عیسائی ہو تو میں کیا کروں۔ تو غرض بہت لوگ اس پر فخر کرتے ہیں کہ ہم نماز پڑھتے ہیں، تلاوت کرتے ہیں اور یہی دھوکے میں پڑے ہوئے ہیں۔ دیکھنا یہ ہے کہ قرآن پڑھتے ہیں تو قلب میں بھی کچھ دین کا اثر ہے؟۔ بہت سے لوگ ایسے ہیں جن کی نسبت جناب رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں: (یقرؤن القراٰن لا یجاوز

حناجرھم) کہ قرآن پڑھتے ہیں مگر اس طرح کہ ان کے گلوں سے نہیں اترتا یعنی قلب پر اثر نہیں کرتا۔ اب ایسے شخص کا بددین ہوجانا کیا مشکل ہے اور وہ ایسے تو اب بھی ہیں کہ ؎

از مذہب من گبرو مسلمان گلہ دارند

''میرے مذہب کے مسلمان اور آتش پرست دونوں شاکی ہیں''

اوران کا دین خیالات کے بدلنے سے روزانہ اب بھی بدلتا رہتا ہے بقول کسی کے ؎

بیزارم ازاں کہنہ خدائیکہ تو داری ہر روز مرا تازہ خدائے دگرے ہست (۱)

حضرت اس روشن دماغ کو لیکر کیا کریں جس کا یہ انجام ہو اس سے تو وہ سادہ لوحی اچھی ہے جس کا انجام نیک ہو۔

## سادہ لوح بندۂ خدا کا حال

کسی معقولی نے توحید پر سو دلیلیں قائم کی تھیں اور ہر ایک سے اپنے اظہار علم کے لئے توحید پر دلائل پوچھتا تھا۔ ایک مرتبہ گاؤں میں کسی چودھری سے پوچھا کہ توحید کی کیا دلیل ہے۔ وہ ایک لٹھ لیکر پیچھے ہوا کہ یہ ہے دلیل۔ اور واقعی ایسوں کے لئے ہے بھی یہی دلیل توحید کی۔ تو صاحبو! وہ تاریک دماغ متعصب تنگ خیال جس کو خدا کی محبت ہے ہزار درجہ افضل ہے اس روشن دماغ سے جسے خدا کی محبت نہ ہو۔ کیونکہ قیامت کے دن اس متعصب کو کہا جاویگا کہ جنت میں لے جاؤ۔ اور اس روشن دماغ کو دوزخ میں لے جاؤ اس کا نمونہ دنیا ہی میں دیکھ لو۔ ایک بہت بڑا قابل گریجویٹ ایم۔اے پاس ہے مگر شورش (۲) برپا کرتا ہے اور ملک میں

(۱) ''تمہارے پرانے خدا سے بیزار ہوں ہردم مجھے دوسرے تازہ خدا کی ضرورت ہے'' (۲) ملک میں فساد پھیلاتا ہے۔

باغیانہ خیالات پیدا کرتا ہے۔ اور ایک گنوار گاؤں کا چودھری بالکل جاہل مگر گورنمنٹ کو اپنا بادشاہ تسلیم کرتا ہے، ان دونوں کی پیشی ہوئی کسی حاکم کے اجلاس پر تو حاکم بعد تحقیقات کیا فیصلہ کرے گا؟۔ یہی فیصلہ کرے گا کہ لے جاؤ اس نالائق گریجویٹ کو جیل خانہ میں۔ اور اس گنوار کے لئے عجب نہیں کہ جاگیر ہو جائے۔ تو جب گورنمنٹ کے یہاں اطاعت وعدم اطاعت میں فرق ہے تو خدا کے یہاں کیوں نہ ہوگا۔ ان کے باغیوں کو تو خردمند(۱) کہنا بھی جرم ہے ؎

مبادا دل آں فرومایہ شاد کہ از بہر دنیا دہد دین باد(۲)

وہ لائق فائق خدا سے دور ہے اور یہ جاہل گنوار تاریک خیال خدا کے نزدیک ہے۔

## علوم دینیہ کی حقیقت

تو اے مسلمانو! عشقی اسلام اختیار کرو قانونی اسلام کام نہیں آسکتا۔ اپنے دل میں خدا کی محبت جماؤ، محبت میز، کرسی، کانٹے، چھری، کوٹ، پتلون، بوٹ سوٹ سے پیدا نہیں ہوتی۔ یہ کاہے سے پیدا ہوتی ہے۔ یہ اس سے پیدا ہوتی ہے ؎

قال را بگذار مردِ حال شو پیش مردے کاملے پامال شو(۳)

کسی کی جوتیاں سیدھی کرو اور آگ لگادو اپنی وہمی تحقیقات کو ؎

جملہ اوراق وکتب در نار کن سینہ را از نور حق گلزار کن (۴)

اے صاحبو! وہ کبوتر جسے ہوائی بندوق کے چھرہ سے آسانی سے شکار کرلیا بہتر ہے اس سور سے کہ جس کے شکار میں تمام کارتوس خالی ہوگئے۔ اور پھر جب

(۱) عقلمند (۲) ''یعنی اس کمینہ کو کبھی خوشی نصیب نہ ہو جو دنیا کے لئے اپنا دین برباد کردے'' (۳) ''یعنی قال کو چھوڑ کر حال پیدا کرو۔ یہ اس وقت پیدا ہوگا جب کسی اہل اللہ کے قدموں میں جا کر پڑ جاؤ'' (۴) ''تمام اوراق اور کتابوں کو آگ لگا کر اپنے سینہ کو اللہ تعالیٰ کے نور سے گلزار کرو''۔

گھر میں آئے تو بال بچے فاقہ سے پڑے ہیں اور وہ اس قابل بھی نہیں کہ اسے بال بچوں کو کھلا سکیں۔

اے صاحب! دین کے علوم کبوتر اور آپ کی یہ تحقیقات سُور کا شکار ہیں۔ جس وقت آپ اس بازار میں جائیں گے جہاں دوسرا سکہ چلتا ہے تو اس وقت آپ کو معلوم ہوگا کہ افسوس یہ ٹھیکرے ہم ناحق لائے۔ میں ڈگریاں حاصل کرنے اور پاس کو منع نہیں کرتا پاس کرو مگر خدا سے دور نہ ہو۔ نماز روزہ ہی پر اکتفاء نہ کرو اور آگے بڑھو۔ عشق و محبت پیدا کرو۔

## لوگوں کی بے حسی

ایک مقام پر جلسہ ہوا۔ نو تعلیم یافتہ جمع تھے۔ نماز کا وقت آیا۔ نماز کا اہتمام کیا گیا۔ ایک مہمان بھی تھے ان سے کہا گیا کہ آپ بھی نماز پڑھ لیجئے۔ انہوں نے کہا میں نماز کو لغو سمجھتا ہوں۔ لوگوں نے کہا کہ اس کی تو اسلام نے تعلیم دی ہے۔ کہا میں اسلام کو بھی لغو سمجھتا ہوں۔ معاذ اللہ منہا۔ یہ مسلمان ہیں۔ اس کے بعد ان میں کمیٹی ہوئی کہ اس خبیث کو چھوڑ دینا چاہیئے ایک صاحب نے کہا کہ اس نے قصور خدا کا کیا ہے۔ خدا آپ انتقام لے گا۔ ہم اپنے تعلقات کیوں قطع کریں۔ اس خبیث کی تو شکایت نہیں مگر اس بے غیرت کی شکایت ہے کہ اسے جوش کیوں نہیں آیا۔ اگر اس کی ماں کو کوئی یوں کہدے کہ میں نے اسے چکلے میں بیٹھا دیکھا تھا تو اس قدر جوش ہوگا کہ مارنے کے لئے تیار ہو جائیگا۔ افسوس دین کی اتنی بھی محبت نہیں جتنی ماں کی ہے اگر یہی اسلام ہے تو سلام ہے ایسے اسلام کو ﴿قُلْ بِئْسَمَا يَأْمُرُكُمْ بِهٖۤ اِيْمَانُكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴾ (۱) ''کہدو کہ یہ افعال بہت برے ہیں جن کی تعلیم تمہارا ایمان کررہا ہے اگر تم ایمان والے ہو'' کم از کم اتنا تو ہوتا کہ

(۱) البقرۃ: ۹۳۔

آگ ہوجاتے پھر چاہے ضبط کرلیتے زبان سے اسے کچھ نہ کہتے مگر اس سے تعلقات کو قطع کردیتے۔

ہزار خویش کہ بیگانہ از خدا باشد فدائے یک تن بیگانہ کاشنا باشد(۱)

یوں کیوں نہ کہا گیا کہ اس بے ایمان کی صورت بھی نہ دیکھو۔

## عشقی اسلام

بات یہ ہے کہ ان کا اسلام عشقی نہیں ہے قانونی ہے جو کسی کام کا نہیں خدا سے محبت ہونی چاہیئے۔ اسی کو عراقی کہتے ہیں ؎

صنما رہ قلندر سزدار بمن نمائی کہ دراز و دور دیدم رہ و رسم پارسائی(۲)

جب یہ مذاق ہوجائے گا کہ اسلام عشقی ہوجائے گا تو پھر یہ کیفیت ہوگی کہ پاندان کیوں اٹھایا۔ حکم۔ پانی کا گھڑا کیوں بھرا۔ حکم، خط کیوں بنوایا۔ حکم، حالانکہ معشوقہ نے مصلحت بھی ظاہر کردی تھی کہ لبیں بڑھی ہوئی بُری معلوم ہوتی ہیں۔ مگر پھر بھی بجائے اس حکم کے بیان کرنے کے یہی کہتا ہے۔ حکم۔ مرضی۔ کیونکہ عاشق کا یہی مذہب ہوتا ہے بس مسلمان کا بھی یہی مذہب ہونا چاہیئے کہ نماز کیوں پڑھتے ہو۔ حکم، مرضی، بکری کیوں کھاتے ہو۔ سور کیوں نہیں کھاتے۔ حکم، مرضی، یہ بڑے درجہ کا شخص ہے۔ یہی حکم ہے اور وہ حکیم نہیں جو یہ کہے کہ نماز جماعت سے کیوں پڑھتے ہیں تاکہ اتفاق ہو کیونکہ ایسا شخص ہر وقت شیطان کے ہاتھ میں ہے۔ جب جی چاہے وہ اپنی راہ پر لاسکتا ہے۔ مثلاً کسی وقت اس کو یہ سمجھا دیا کہ یہ قاعدہ ہے کہ جب مقصود حاصل ہوجاتا ہے تو ذریعہ متروک ہوجاتا ہے تو بہت قریب ہے یہ بات

(۱) ''یعنی ہزار رشتہ دار جو خدا تعالیٰ سے بیگانہ ہوں اس ایک بیگانہ شخص پر قربان ہیں جو خدا تعالیٰ کا عارف ہے''

(۲) ''نری پارسائی بدون محبت کے بڑی دور کا رستہ ہے عشق کا رستہ مجھے بتلا دیجئے''۔

کہ جس روز ان کی کوشش سے قوم میں اتفاق پیدا ہوگیا اسی روز سے یہ جماعت کی نماز چھوڑ دیں گے کہ اب ضرورت باقی نہیں رہی۔ تو یہ لوگ ہر وقت ﴿ شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ ﴾ ہیں یعنی آگ کے گڑھے کے کنارے کھڑے ہیں شیطان کے ذرہ سے دھکے میں گر جائیں گے۔ کوئی یہ سمجھے کہ احکام میں مصلحتیں نہیں ہیں۔ مصلحتیں ہیں اور اس قدر ہیں کہ ہمارے وہم وگمان میں بھی نہیں آسکتیں مگر وہ سب تابع ہیں اور رضاحق متبوع ہے۔ بہرحال اس پر میں کہتا تھا کہ احکام میں مصالح دنیویہ واخرویہ دونوں ہیں مگر دنیویہ تابع ہیں اور اخرویہ متبوع۔ اسی طرح جتنے احکام ہیں اگر ان میں کوئی لطیفہ بیان کیا جاوے تو لطیفہ تبعاً ہے اور مقصود رضائے حق ہے ورنہ درجۂ اصالت میں ہمیں ضرورت نہیں کہ ہم احکام کی روح تلاش کریں۔ مگر تبعاً محض تنشیط (خوش ہونا) کے لئے عرض کیا جاتا ہے نہ کہ بطور مدار حکم کے یہ تقریر اس لئے عرض کی کہ غلطی نہ ہو۔

## افطار کی روح

بہرحال رمضان کے خاتمہ پر عید جو مقرر ہے۔ اس کی بھی ایک صورت ہے اور ایک روح۔ تو اس کی روح کیا ہے۔ ابھی اس حدیث کو میں نے مع ترجمہ بیان کیا تھا( للصائم فرحتنا فرحة عند الافطار وفرحة عند لقاء ربه ) کہ ایک فرحت افطار کے وقت ہوتی ہے ایک فرحت لقاء رب کے وقت قیامت میں ہوگی۔ پھر افطار کے وقت جو فرحت ہوتی ہے اس کے بھی دو پہلو ہیں۔ ایک کو اہلِ معنی نے سمجھا ایک کو اہلِ ظاہر نے سمجھا۔ اسی پر یہ مضمون چلا تھا۔ پس اہلِ ظاہر کو کھانے پینے کی فرحت ہوتی ہے۔ اہل معنی کو روزہ پورا ہونے کی فرحت ہوتی ہے اور اس فرحت معنویہ سے اس دوسری فرحت کا نمونہ جو فرحت ولقاء ربّہ (لقاء رب کے

وقت فرحت ) آخرت میں ہوگی ان کے پیشِ نظر ہوجاتا ہے کیونکہ جب یہ فرحت ہوتی ہے عمل پورا ہونے سے اور جس وقت عمل پورا ہوتا ہے تو کیا ہوتا ہے جو حدیثوں میں درباب فضیلت عید کے آیا ہے کہ حق تعالیٰ فرشتوں کو جمع کر کے فرماتا ہے کہ اے فرشتوں کیا جزاء ہے اس اجیر کی جس نے اپنا عمل پورا کرلیا ہو فرشتے عرض کرتے ہیں کہ اس کی جزاء یہی ہے کہ اسے اجرت پوری دی جاوے۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے پس انہوں نے روزے رکھے جو ہمارے یہاں مقبول ہوگئے۔ تو تم گواہ رہنا کہ ہم نے سب کی مغفرت کردی۔ پس ایک حدیث سے افطار کے وقت فرحت اور ایک حدیث سے تمام عمل کے وقت مغفرت ثابت ہوئی اور یہ مقدمہ ظاہر ہے اور اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ افطار کے وقت تمام عمل کا وقت ہے تو اس افطار کے وقت مغفرت کا ہونا ثابت ہوا اور یہی مغفرت ہے جس کو خواہ جزاء کہئے خواہ لقاء رب کہئے تو ہر افطار کے وقت فرحت لقاء رب بھی معناً حاصل ہے جس کا ظہور اتم آخرت میں ہوگا۔ اسی لئے اس کو پہلے فرحت پر عطف کیا۔ پس باعتبار حصول کے یہ معطوف نقد ہے اور باعتبار ظہور کے اُدھار ہے پس یہی لقاء یا مشاہدہ روح ہے اس افطار کی اور ہر روز افطار صغیر ہے اور عید افطار کبیر ہے۔ پس عید کی روح بھی مشاہدہ حق ہوا۔

## روزے کی نقد جزاء

اور گو ظاہراً یہ اُدھار ہے مگر حقیقت میں نقد ہے اور یہ ذوقی بات ہے کہ نقد ہے البتہ اگر ذوق نہ ہو تو خیر ادھار ہی سمجھو گے کہ جب وہاں جائیں گے تو لقاء رب یا مغفرت میسر ہوگی اور اگر ذوق ہے تو سب نقد ہے اور اگر ذوق پیدا کرنا ہو تو ذوق پیدا ہوتا ہے محبت اور اہل محبت کی صحبت سے، اور ان کی خدمت میں رہنے سے جب ذوق پیدا ہوگا اس سے یہ بات معلوم ہوگی کہ وہ جزاء نقد ہے اور وہ نقد کس

طرح ہے۔ بات یہ ہے کہ حق جل وعلیٰ شانہ نے دو آنکھیں پیدا کی ہیں ایک ظاہر کی ایک باطن کی۔ انہیں باطن کی آنکھ سے ان آیات کے معنی معلوم ہوتے ہیں ﴿وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْہِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ﴾ ''اور ہم انسان کے اس قدر قریب ہیں کہ اس کی رگِ گردن سے بھی زیادہ ہیں''۔ ﴿اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ﴾ ''بلاشبہ حق تعالیٰ صبر کرنے والوں کے نزدیک ہیں'' اس معیت وقرب کے صاف معنی معلوم ہوتے ہیں کہ لقاء رب یہاں بھی حاصل ہے اور یہ کیسے یقین دلاؤں کہ انہیں یہ بات حاصل ہے، یہ ذوقی بات ہے اس کے بھی علامات ہیں ان سے معلوم ہوجاتا ہے۔ دیکھو اگر کسی نے شراب نہ پی ہو اور بناوٹ سے جھومتا ہو تو جھومے گا مگر ویسا نہیں جھومیگا جیسا واقعی شارب (پینے والا) جھومتا ہے۔

## قرب ومشاہدہ الٰہی کا خاصہ

اسی طرح حق تعالیٰ کے قرب ولقاء ومشاہدہ کا بھی ایک خاصہ ہے اور جن لوگوں نے یہ شراب پی ہے ان کی بھی ایک علامت ہے اور وہ کیا ہے قلب کا سکون، اطمینان، ماسوا سے ذہول(۱) اور قاعدہ عقلی ہے کہ بغیر مقصود کے حاصل کئے سکون نہیں ہوتا اگر انہیں قرب حق نہ ہوتا تو ان کو یہ سکون کیسے ہوتا۔ پس معلوم ہوا کہ انہوں نے کچھ دیکھا ہے کچھ پایا ہے وہ خالی نہیں ہیں۔ اب رہی یہ بات کہ وہ سکون کیسا ہے اور اطمینان کیا ہے، سو دیکھ لو سب کو نظر آتا ہے ؎

موحد چہ برہائے ریزی زرش چہ فولاد ہندی نہی برسرش(۲)
امید وہراشش نباشد زکس ہمین است وبنیاد توحید وبس(۳)

(۱) اللہ کے سوا سب سے نظر ہٹ جائے (۲) ''موحد اور عارف کے قدموں کے نیچے خواہ زر بکھیریں یا اس کے سر پر تلوار رکھیں'' (۳) امید وخوف اس کو بجز خدا کے کسی سے نہیں ہوتا توحید کی بنیاد بس اُسی پر ہے''۔

کسی چیز سے انہیں پریشانی نہیں ہوتی۔

## طبعی پریشانی

اور یہ مطلب نہیں کہ پریشانی طبعی نہیں ہوتی مطلب یہ ہے کہ پریشانی عقلی نہیں ہوتی۔ کیونکہ پریشانی طبعی تو انبیاء تک کو ہوتی ہے۔ موسیٰ علیہ السلام باوجودیکہ نبی ہیں مگر جس وقت کوہ طور تشریف لے گئے اور حق تعالیٰ نے پوچھا ﴿وَمَا تِلْكَ بِيَمِيْنِكَ يَا مُوْسٰى﴾ اے موسیٰ تمہارے ہاتھ میں کیا ہے ﴿قَالَ هِيَ عَصَايَ﴾۔ انہوں نے عرض کیا عصا ہے۔ آگے ﴿قَالَ فَاَلْقِهَا يَا مُوْسٰى﴾ یعنی حکم ہوا کہ اچھا اسے ڈالدو ﴿فَاَلْقٰهَا فَاِذَا هِيَ حَيَّةٌ تَسْعٰى﴾ اور انہوں نے ڈالدیا تو وہ سانپ بن گیا ﴿قَالَ خُذْهَا وَلَا تَخَفْ سَنُعِيْدُهَا سِيْرَتَهَا الْاُوْلٰى﴾ جب سانپ کی شکل دیکھی تو بھاگے۔ فرماتے ہیں لَا تَخَفْ اے موسیٰ تم ڈرومت ہاتھ ڈالو یہ ویسا ہی ہوجائے گا۔ سو سانپ سے طبعاً ڈر گئے پس پریشانی طبعی کا مضائقہ نہیں۔ ایک اور بزرگ کی حکایت ہے کہ بادشاہ نے ان کے دھمکانے کو کہا تھا کوئی ہے، تو انہوں نے بھی بادشاہ کے دھمکانے کو کہا کوئی ہے۔ ان کی کرامت سے ایک شیر نکل آیا۔ بادشاہ اس شیر کو دیکھ کر بھاگا۔ یہ بزرگ بھی اس کے ساتھ بھاگے تو یہ طبعی بات ہے میں اس کی نفی نہیں کرتا۔ میں اس کی نفی کرتا ہوں جس میں اُدھیڑ بُن ہو جس میں حواس باختہ ہوجائیں جس میں سوچ ہو کہ اب کیا ہوگا۔ یہ مقدمہ قائم ہوگیا ہے اب کیا ہوگا۔ میرے بچوں کا کیا حال ہوگا۔ میری بیوی کیسی پریشان ہوگی۔ بس ان حضرات میں یہ نہیں ہوتا۔

## مقربین الٰہی کی شناخت

وہ راضی برضائے حق رہتے ہیں۔ جو کچھ ہوگا ان کے نزدیک بہتر ہے۔

ان کا خیال تو یہ ہوتا ہے ؎

ہرچہ آں خسرو کند شیریں بود

''جو کچھ محبوب حقیقی کرتے ہیں وہ بہتر ہے''

ہم تو سرکاری گھنٹے ہیں۔ اگر بڑھادیا تو کیا گھٹادیا تو کیا۔ ہماری جان کیوں نکلتی ہے۔ اگر گھڑی شکایت کرے کہ مجھے کوک تے ہیں (۱)۔ تو یہی جواب ہے کہ ہم مالک ہیں۔ جو چاہتے ہیں کرتے ہیں تو ہے کون بلا۔ پس جس طرح یہ گھڑی ہے وہ گھڑا ہے۔ کوکنے والے نے کوک دیا ہے۔ چل پھر رہے ہیں۔ اب سمجھ گئے جو کچھ ہم کرتے ہیں وہ ان کے کوکنے سے کرتے ہیں (۲)۔ کوک اگر ہمیں میں ہو (۳) تو فرماتے ہیں ﴿فَلَوْلَآ اِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُوْمَ وَاَنْتُمْ حِيْنَئِذٍ تَنْظُرُوْنَ ۔الی۔ تَرْجِعُوْنَهَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ﴾ جس وقت روح حلقوم تک پہنچ جاتی ہے اور تم دیکھتے ہوتے ہو، تو تم اس روح کو لوٹا کیوں نہیں لیتے۔ تم اتنا تو کر ہی نہیں سکتے کہ نکلنے کے بعد تو کیا جس وقت نکلنے کے لئے حلقوم تک آئے تو اسے لوٹا لو۔ بعض دفعہ گلے میں کھانا اٹک جاتا ہے تو یہاں تک نوبت پہنچتی ہے کہ دوسروں کے تصرف سے تو نکلتا ہے۔ تو بھلا ہم کون ہیں۔ ایک مشین ہیں صانع کے ہاتھ میں اور وہ صانع رحیم وحکیم ہیں۔ پس

ہرچہ آں خسروکند شیریں بود

''جو کچھ بادشاہ حقیقی کرتے ہیں وہ بہتر ہے''

اور یہ بات محبت کی وجہ سے ان حضرات کو مستحضر رہتی ہے اس واسطے پریشانی نہیں ہوتی حتی کہ اہل سلوک جس کو بُعد (دور) فراق سمجھتے ہیں وہ اس کی

(۱) مجھے چابی دیتے ہیں (۲) ان کے چابی دینے سے (۳) چابی اگر ہمارے اختیار میں ہوتی تو اسی کے بارے میں ارشاد ہے۔

نسبت بھی یہ مذاق رکھتے ہیں ؎

ارید وصالہ ویرید ھجری فاترک ما أُرید لما یرید (۱)

اور اس سب کا سبب محبت ہے پس یہ ہے لقاء رب ورضائے حق جو اصلی مقصود ہے اور یہ سکون اس کی علامت ہے جس سے ہم بھی اہلِ قرب کو پہچان سکتے ہیں جیسے فرض کرو کہ ہم نے کسی کو شراب پیتے دیکھا ہو مگر بُو سے تو معلوم کر لیتے ہیں کہ اس نے شراب پی ہے تو انہوں نے بھی شراب وصل پی ہے اور ان آثار سے ہمیں بھی معلوم ہوسکتا ہے۔

## قربِ الٰہی کے آثار

دوسرے آثار قرب کے ان میں اور بھی ہیں وہ یہ کہ جنت میں جو قرب ہوگا تو اس وقت کیا ہوگا کہ ان اہلِ قرب کو کسی سے کینہ نہ ہوگا سو ان اہل اللہ کو دنیا ہی میں دیکھ لو کہ انہیں بھی یہ بات حاصل ہے، چنانچہ ان کا مشرب یہ ہے کہ ؎

کفر است در طریقت ما کینہ داشتن آئین ما است سینہ چو آئینہ داشتن (۲)

اور جنت میں کیا ہوگا بے تکلف جس طرح سانس آتی ہے اس طرح ذکر اللہ جاری ہوگا حدیث میں ہے یلھمون التسبیح کالنفس (الہام کیا جائیگا ان کو تسبیح کا سانس کی طرح) دیکھ لیجئے یہ بھی ذکر اللہ میں اسی طرح مشغول ہوتے ہیں کہ نہ تکان ہے نہ پریشانی ہے۔ یہ سب علامات ہیں اہلِ جنت کے۔ بس معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کے اندر ان کو لقاء رب حاصل ہے مگر اتنا فرق ہے کہ یہ لقاء ضعیف ہے (۳)۔ جنت میں جو ہوگی وہ قوی ہے یہ خفی ہے وہ جلی ہے۔ یہ معنوی ہے وہ صوری ہے۔

---

(۱) ''میں محبوب کے وصال کا خواہاں ہوں وہ ہجر کے خواہاں سو میں نے اپنی خواہش کو ان کی خواہش کی وجہ سے ترک کر دیا'' (۲) ''یعنی ہمارے طریق میں کسی سے کینہ رکھنا کفر ہے سینہ کو آئینہ کی طرح حسد و کینہ سے صاف رکھنا ہمارا دستور ہے'' (۳) یہ ملاقات کمزور ہے۔

# عاشق کا حال

مگر عاشق کے لئے یہی بہت ہے ۔

مرا از زلف تو موئے بسند است ہوس را رہ مدہ بوئے بسند است(۱)

دید مجنوں را یکے صحرا نورد دربیابان غمش بنشستہ فرد

ریگ کاغذ بود انگشتان قلم مے نمودے بہر کس نامہ رقم

گفت اے مجنوں شیدا چیست ایں می نویسی نامہ بہرِ کیست ایں(۲)

مجنوں کو کسی نے جنگل میں دیکھا کہ تنہا بیٹھا ہوا اپنی انگلی سے ریت پر کچھ لکھ رہا ہے پوچھا کسے خط لکھ رہے ہو کہا کہ ۔

گفت مشق نام لیلیٰ می کنم خاطر خود را تسلی می کنم(۳)

مرا از زلفِ تو موئے بسند است ہوس رارہ مدہ بوئے بسند است(۴)

اجی ایک تو وصال عریاں ہے(۵) کہ معشوق بالکل ہم آغوش ہے اور ایک یہ کہ صرف انگلی پکڑ لی یہ بھی تو بہت بڑی بات ہے گو بے کلی (۶) بڑھ جاتی ہے۔ اگر یہ کہو کہ بیکلی کیسے، یہ تو سکون کے منافی ہے تو بات یہ ہے کہ سکون سے مطلق سکون مراد نہیں بلکہ سکون عن غیر اللہ (غیر اللہ سے سکون) مراد ہے۔ سو سکون عن غیر اللہ ہو جانا ہے۔ باقی سکون عن اللہ (اللہ تعالیٰ سے سکون) تو کبھی نہیں ہوتا وہ تو جوں جوں آگے بڑھتے ہیں طلب بڑھتی ہی جاتی ہے اور بے کلی سوا ہوتی جاتی ہے مگر اس میں

(۱) ''اگر محبوب نہ ملے تو اس کا ایک بال ہی بہت اگر بال نہ سہی تو خوشبو ہی سہی بلکہ اگر خوشبو نہ سہی تو نام ہی سہی'' (۲) مجنوں کو صحراء میں بیٹھا دیکھا کہ غم کے صحراء میں، اکیلا گم صم بیٹھا تھا ریت کو بطور کاغذ اور انگلی کو بطور قلم استعمال کر کے کسی کو خط لکھ رہا تھا۔ پوچھا کہ اے مجنوں یہ کیا ہو رہا ہے کس کو خط لکھ رہے ہو؟ (۳) ''میں اپنی محبوبہ کے نام کی مشق کر رہا ہوں اپنے محبوب دل کو تسلی دیتا ہوں'' (۴) یعنی اگر محبوب نہ ملے تو اس کا ایک بال ہی کافی ہے اگر بال بھی نہ ملے تو خوشبو ہی بہت ہے'' (۵) ملاقات بے حجاب (۶) بے چینی۔

انہیں وہ لطف ہے کہ اس بیکلی پر ہزاروں سکون قربان۔ میں نے بچپن میں ایک مثنوی لکھی تھی اس کا مصرع یاد آ گیا ؎

عشق معشوق است مرعشاق را

''عاشق کو جیسے معشوق سے محبت ہوتی''

محبت سے بھی محبت ہوتی ہے۔ اگر عاشق سے کہا جائے کہ لاؤ ایسی ترکیب کریں کہ تمہاری محبت زائل ہو جائے۔ تو مرے گا جان دینا گوارا کرے گا مگر اسے کبھی گوارا نہیں کرے گا۔ مجنوں کو جب اس کے باپ نے دیکھا کہ لیلیٰ کی محبت میں اس کی بری حالت ہے تو خانہ کعبہ لیکر آیا اور کہا کہ اے قیس دعا کر اللھم ازلنی حبّ لیلیٰ ''یارب میرے دل سے لیلیٰ کی محبت زائل کر دے'' باپ تو یہ کہے، اور وہ کہتا ہے اللّٰھم زدنی حبًّ لیلٰی ''یارب مجھے لیلیٰ کی محبت زیادہ دے'' باپ نے کہا اس سے توبہ کر اس نے جوش میں آ کر یہ شعر پڑھا ؎

الٰھی تُبت من کل المعاصی ولکن حب لیلیٰ لا اتوب

سارے گناہوں سے توبہ ہے مگر اے اللہ میں لیلےٰ کی محبت سے توبہ نہ کروں گا اور یہ لا اتوب (توبہ نہیں کرتا) یا تو غلبہ سُکر میں کہا اور یا اس لئے کہ وہ سچی محبت تھی اس میں لوث (ملونی/ملاوٹ) معصیت کا نہ تھا۔ یہ لوگ مسلمان تھے۔

## مجنوں کا انجام

اور تتمہ اس کے قصہ کا یہ ہے کہ اس کے باپ نے جب اس کی حالت زیادہ خراب دیکھی تو لیلےٰ کے باپ کو جو اس کا حقیقی چچا ہے پیغام نکاح بھیجا تو لیلےٰ کے باپ نے جواب دیا کہ مجھے عذر نہیں۔ اس سے زیادہ لیلےٰ کا اور کون حقدار ہوگا۔ لیکن یہ نکاح ہوتے ہی فوراً مر جائے گا۔ اس لئے بہتر ہے کہ اسے یوں ہی رہنے دو۔ کیونکہ اس کی وہ حالت تھی ؎

من شمع جانگدازم وتو صبح دلکشائی سوزم گرت نہ بینم میرم جو رُخ نمائی

میں شمع ہوں تو صبح ہے اگر تجھے دیکھ لوں تب بھی موت ہے کہ لوگ بجھا دیں گے اور اگر نہ دیکھوں تب بھی ہلاکت ہے کہ جل جاؤں گا ؎

نزدیک آں چنانم ودور آن چنانکہ گفتم

نے تاب وصل دارم و نے طاقتِ جدائی

(اس محبوب کی نزدیکی ایسی ہے اور جدائی ایسی جیسا اوپر کے شعر میں ذکر کیا) نہ جدائی کہ طاقت نہ وصل کی تاب۔ یہ حالت ہوتی ہے عشاق کی۔ الغرض نکاح نہیں ہوا اس کے بعد اتفاق سے لیلیٰ پہلے مرگئی۔ اس کو بھی علم ہوا۔ اس کی قبر معلوم کرنا چاہی لوگوں نے اس کی ہلاکت کے خیال سے نہیں بتائی۔ اس نے خود جا بجا کی قبروں کی مٹی سونگھ کر پتہ لگا ہی لیا (اور یہ شعر کہا اور اسی کو بار بار پڑھ پڑھ کر جان دیدی ؎

ارادوا لیخفوا قبرھا عن محبھا وطیب تراب القبر دل علی القبر

کہ لوگوں نے تو یہ چاہا تھا کہ لیلیٰ کی قبر کو اس کے عاشق سے مخفی رکھیں۔ لیکن اس کی خاکِ قبر کی خوشبو نے اس کو راستہ بتا ہی دیا۔ یہ ادنیٰ شخص تھا ادنیٰ محبت تھی۔ مگر کیا رنگ دکھایا۔ اور مجنوں نے اس محبت کی ترقی ہی چاہی۔ تو وجہ اس کی یہ ہے کہ محبت خود بھی محبوب ہو جاتی ہے۔ اس لئے اس بیکلی میں بھی لطف آتا ہے اور اس بیکلی میں اور سکون میں منافات نہیں ہوتی۔ کیونکہ جہاں سکون کا حکم کیا وہاں سکون عن غیر الحق (غیر اللہ سے سکون) مراد ہے۔ اس کی ایسی ہی مثال ہے کہ تین طلاق رجعی کسی عورت کو دے کر دوسری سے نکاح کرنے کا ارادہ ہے اور ابھی نکاح نہیں ہوا تو اس سے تو سکون ہے جسے طلاق دے دی ہے اور اس کے لئے بے چینی

ہے جس سے نکاح چاہتا ہے۔ یہی جنت میں بھی ہوگا۔

## اہل اللہ کا حال

اور جنت جو کہ مقام قرب ہے یہ ہوگا حق تعالیٰ سے فرداً فرداً باتیں ہوں گی۔ گو حق تعالیٰ سے یہاں بھی باتیں ہوتی ہیں کیونکہ قرآن کی تلاوت حق تعالیٰ سے باتیں ہی ہیں۔ مگر یہ مجموعاً ہیں کیونکہ اس کے خطاب عام ہیں اور جنت میں خاص خطاب ہوگا۔ سو اہل اللہ کو دنیا میں یہ بھی ہونے لگتا ہے یعنی ان کے قلب میں الہامات جو ہوتے ہیں وہ حق تعالیٰ کا خطاب خاص ہیں۔ جاننے والے کہتے ہیں کہ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسا کوئی بول رہا ہے مگر شرط یہ ہے کہ یہ کلیات شرعیہ(۱) کے خلاف نہ ہو ورنہ وہ الہام رحمانی والقاء ربانی نہیں بلکہ حدیث النفس ووسوسۂ شیطانی ہے(۱)۔ انکا الہام یہاں تک بڑھ جاتا ہے کہ ہر وقت الہام ہوتا ہے۔ حتی کہ کھانے پینے اور ہدیہ لینے میں بھی کہ یہ مت کھاؤ یہ مت پیو ہدیہ مت قبول کرو۔ پھر وہ انکار کرتا ہے ہدیہ کے قبول کرنے سے لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ فلاں کا لے لیا فلاں کا کیوں نہ لیا مگر ؎

در نیابد حال پختہ ہیچ خام پس سخن کوتاہ باید والسلام(۳)

اس رتبہ کے شخص کو حضور ﷺ ارشاد فرماتے ہیں (استفت قلبك ولو افتاك المفتون) ''اپنے دل سے بھی فتویٰ لو اگرچہ مفتیوں نے تمہیں فتویٰ دیدیا ہے) المفتون فرمایا مفتون نہیں فرمایا۔ یعنی مفتون دنیا۔ سو اس کو فرماتے ہیں دل سے پوچھے کیونکہ خدا کا نور اُسے عطا ہوتا ہے، اسی کو مولانا فرماتے ہیں ؎

(۱) قواعد شرعیہ کے خلاف نہ ہو (۲) بلکہ نفس وشیطان کا دھوکا ہے (۳) ''یعنی ناقص کامل کی حالت کو نہیں سمجھ سکتا پس کلام کو تاہ کرنا چاہیئے''۔

پنبہ اندر گوش حس دوں کنید تا خطاب ارجعی را بشنوید

یہ کان خوانی درجہ کے حواس میں سے ہے اس میں روئی رکھ لو۔ تاکہ خطاب ارجعی کو سننے کے قابل ہوجاؤ یعنی گوش ظاہری سے کام مت لو اور اس کو تعلقات دنیا کی طرف متوجہ مت کرو۔

چشم بندولب بہ بندوگوش بند گرنہ بینی نورحق برمن بخند (۱)

تو بات کیا ہے جتنا ذہول اِدھر سے ہوتا جاتا ہے اتنی ہی بیداری ادھر سے بڑھتی جاتی ہے۔ پھر اپنی استعداد کے موافق مکالمہ بھی ہوتا ہے۔ تو واقعی ان سب سے سکون حاصل ہوجاتا ہے۔ غرض جب تک وہ زندہ ہیں ان کو دنیا میں بھی وہ عیش ہے کہ کسی بادشاہ کو بھی نصیب نہیں۔

## شاہ وگدا کے حال میں فرق

ایک بادشاہ نے بطور اعتراض کسی بزرگ کو اپنی اور ان کی معاشرت کا موازنہ لکھ کر بھیجا تھا وہ بزرگ اُسے جواب دیتے ہیں ؎

خوردن تو مرغ مسمن دمے خوردن مانانک جوین ما (۲)

پوشش تو اطلس ودیباحریر بخیہ زدہ خرقہ پشمین ما (۳)

ہم نے سب کمایا آگے فرماتے ہیں ؎

لیک ہمین است کہ می بگذرد راحت تو محنت دوشین ما (۴)

باش کہ تاطبل قیامت زنند آن تو نیک آید ویا این ما (۵)

(۱) ''ظاہری چشم ولب اور کان کو بند کرو اس پر بھی اگر خدا کا نور نہ دیکھو تو مجھ پر ہنسنا'' (۲) ''تمہارا فربہ مرغ کھانا اور ہمارا جو کی روٹی کھانا ایک دم کے لئے ہے'' (۳) تیرا لباس ریشم واطلس کا ہے ہمارا خرقہ پشمین پختہ زدہ ہے (۴) مگر ذرا ٹھہرے رہو کل اس کا حال معلوم ہوگا کہ تمہاری راحت اچھی تھی یا ہماری محنت'' (۵) ''یعنی ذرا صبر کرو قیامت میں معلوم ہوجائے گا کہ وہ تمہاری راحت اچھی تھی یا یہ ہماری محنت''۔

تو ان حضرات کو کچھ تو حاصل ہے جس کی بدولت دولت وسلطنت کی بھی پرواہ نہیں ایک مقدمہ تو یہ ملائیے کہ ﴿ خُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِیْفًا ﴾ انسان ضعیف البنیان ہے۔ دوسرا مقدمہ یہ ملائیے کہ امر طبعی ہے کہ انسان نسیہ (اُدھار) پر کبھی راضی نہیں ہوتا اگر چہ کتنا ہی زیادہ ہو اور ہمیشہ نقد کو ترجیح دیتا ہے اگر چہ کتنا ہی کم ہو تو ان دونوں کے ملانے سے یہ نکلتا ہے کہ انہیں کچھ نقد ملا ضرور ہے ورنہ یہ راضی کیونکر ہوئے انہیں وہ چیز ملی ہے کہ میں نام نہیں بتا سکتا، وہ ذوقی چیز ہے ۔

بفراغ دل زمانے نظرے بما ہروئے بہ اذاں کہ چتر شاہی ہمہ روز ہائے ہوئے

ایک ساعت ایک لحہ محبوب کو اطمینان سے دیکھنا دن بھر کی دارو گیر شاہی سے بہتر ہے تو یہ ہے وہ دولت جس کی بدولت اس قدر مستغنی ہیں۔

## سیدنا غوث اعظم کا جواب

سیدنا حضرت غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہ کو ملک سنجر والی نیمروز نے عریضہ لکھا کہ میں چاہتا ہوں کہ آپ کو کچھ معافی وجاگیر دیدوں تا کہ آپ بھی میری طرح عیش وعشرت کے ساتھ زندگی بسر کریں۔ حضرات نے اس کے جواب میں یہ قطعہ فرمایا ۔

چوں چتر سنجری رخ بختم سیاہ باد دردل اگر بود ہوس ملک سنجرم(۱)

اور وسوسہ کیوں نہیں اس لئے نہیں ہے کہ ۔

زانگہ کہ یافتم خبر از ملک نیم شب من ملک زنیمروز بیک جو نمی خرم

مجھے جب سے نیم شب کی سلطنت حاصل ہے نیمروز کی سلطنت میری نظر میں ایک جو کے برابر بھی نہیں۔ سبحان اللہ کیا رعایت ہے کہ وہ ملک نیمروز تھا (یہ فارس کے ملک کا نام ہے) تو آپ نے اپنے کو ملک نیم شب لکھا اور وہ نیم شب کی

(۱) ''چتر سنجری کی طرح میرا منہ کالا ہو اگر میرے دل میں ملک سنجر کا وسوسہ بھی ہو''۔

سلطنت کیا ہے ؎

چہ خوش وقتے وخرّم روزگارے　　　کہ یارے برخورداز وصل یارے(۱)

## خلوت میں جلوت

اور ضرور خلوت میں برخورد اُن کو حاصل ہے اس واسطے کہ اہل اللہ کو دیکھا ہے کہ اس وقت اگر کوئی ان کی خدمت بھی کرے تو ناک منہ چڑھاتے ہیں اس وقت یہ بھی گوارا نہیں ہوتا کہ کوئی استنجے کے لئے ڈھیلے یا وضو کے لئے پانی بھی دے سب کام اپنے ہاتھ سے اچھا معلوم ہوتا ہے۔ بعضے بے ذوق اس وقت بھی خدمت لینے سے باز نہیں آتے اور بغیر "ارے فلانے پانی لا، ڈھیلے لا" کے چین نہیں آتا۔ اس وقت تو یہ حالت ہوتی ہے کہ یہ کون ہوتا ہے دخل دینے والا اگر انہیں کسی کے ساتھ خلوت نہیں تو غیر کا آنا ناگوار کیوں ہے۔ یہ غیرت دلیل اس کی ہے کہ کسی کو آغوش میں لے لیا ہے۔ ضرور کسی سے راز کی باتیں ہورہی ہیں پس غیرت آتی ہے اور اس قدر آتی ہے کہ اپنی ان آنکھوں سے بھی آنے لگتی ہے۔ کیونکہ آنکھیں جزو ہیں اور جزو، کل کے مغائر (غیر) ہے پس غیر سے غیرت کا آنا طبعی بات ہے۔

یہیں عارف شیرازی کے اس شعر کے معنی بھی حل ہوگئے ورنہ پہلے شاعری معلوم ہوتی تھی ؎

بخدا کہ رشکم آید زدو چشم روشن خود　　　کہ نظر دریغ باشد بچنیں لطیف روئے(۲)

یہ شعر اب سمجھ میں آگیا اور قلندر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا شعر بھی حل ہوگیا ؎

(۱) "وہ کیا اچھا وقت اور اچھا زمانہ ہے کہ اس میں کوئی محبت اپنے محبوب کے وصل سے متمتع ہو" (۲) "بخدا مجھ کو اپنی دونوں آنکھوں پر رشک آتا ہے کہ وہ محبوب کے چہرۂ انور کو دیکھتی ہیں"۔

غیرت از چشم برم روئے تو دیدن ندہم گوش را نیز حدیث تو شنیدن ندہم (۱)

کان کے سننے آنکھوں کے دیکھنے سے بھی غیرت آتی ہے۔ اگر کوئی کہے کہ جنت میں تو اسی آنکھ سے خدا کا دیدار ہوگا۔ صوفیہ نے کوئی بات ایسی نہیں چھوڑی جسے حل نہ کیا ہو گو وہ بعض امور پر دلیل نہ قائم کرلیں مگر اطمینان تو ہو جاتا ہے۔ انہوں نے اس اشکال کو بھی حل کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ قیامت میں بصیرت اور بصارت میں مغایرت (۲) نہیں رہے گی۔ دونوں ایک ہو جائیں گے۔ اسی آنکھ میں بصیرت و بصارت دونوں جمع ہو جائیں گے۔ پس ظاہر میں نورانی (دیکھنے والا) یہ عین ظاہرہ ہے جو کہ جزو ہے اور باطناً رائی عین باطنہ ہے جو کہ اس شخص کا عین ہے اور جزو نہیں۔ اور غیرت مغائر سے تھی سو یہ مغائر نہیں واقعی صوفیہ خوب سمجھتے ہیں۔ بہرحال وہ وقت خلوت کا ہے۔ غیر سے کیوں نہ غیرت آوے اور ان آنکھوں کو بھی غیر کیوں نہ سمجھا جاوے۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے ان آنکھوں کے جانے کی پرواہ بھی نہیں کی۔

## مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا حال

حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی اخیر میں نگاہ جاتی رہی تھی، لوگوں نے بہت اصرار کیا کہ حضرت آنکھیں بنوالیں۔ مولانا نے لوگوں کے سمجھانے کے لئے فرمایا کہ بھائی آنکھ بنے گی تو ڈاکٹر کہیگا کہ پڑے رہو۔ میری جماعت جاتی رہے گی۔ میں نہیں بنواتا لوگوں نے عرض کیا کہ حضرت آپ تو معذور ہیں۔ فرمایا بتلاؤ میرا کونسا کام اٹکا ہوا ہے، چلتا بھی ہوں، پھرتا بھی ہوں، اٹھتا بھی ہو، بیٹھتا بھی ہوں۔

(۱) ''یعنی مجھ کو آنکھوں پر رشک آتا ہے کہ ان کو محبوب کے چہرۂ انور کو نہ دیکھنے دوں اور کانوں کو بھی اس کی باتیں نہ سننے دوں'' (۲) غیریت نہیں رہے گی۔

میں کہاں سے معذور ہوں۔ بلکہ وہ تو آنکھ کو حاجب (۱) سمجھتے ہیں۔ کیونکہ اگر آنکھ ہوگی کوئی آئیگا تو دیکھ کر لحاظ ہوگا۔ خوامخواہ کھڑا بھی ہونا پڑے گا۔ پھر چاروں طرف نگاہ بھی پڑتی ہے، دل بٹا رہتا ہے اگر آنکھ نہیں تو دل یکسو رہتا ہے۔

## زاہد کی حکایت

اور ایک زاہد کی حکایت مولانا نے تحریر فرمائی ہے ؎

زاہدے را گفت یارے در عمل گم گری تا چشم رانا ید خلل(۲)
گفت زاہد از دو بیروں نیست حال چشم بیندیا نہ بیند آں جمال(۳)

اور دونوں کا مقتضا یہ ہے کہ ان کی پرواہ نہ کی جاوے کیونکہ ؎

گر بہ بیند نور حق را چہ غم است دروصالِ حق دو دیدہ کے کم است

اگر وہ جمال دیکھے گی تو دو آنکھوں کی کیا پرواہ۔ متاع جان جاناں جان دینے پر بھی سستی ہے۔

ورنہ بیند نور حق را گو برو ایں چنیں چشم شقی گو کور شو(۴)

غرض آنکھوں کی پروا نہ کرنا یہ بھی کسی بہت بڑی چیز کے ملنے کی وجہ سے ہے ورنہ یہ حالت ہوتی ہے کہ پانی بھی اترنے لگتا ہے تو ہائے ہائے کرنے لگتے ہیں۔ بہرحال لوگوں نے حضرت سے عرض کیا کہ بنوالیجئے مگر حضرت کا ایک ذوق تھا نہ بنوائیں۔ عرض کیا کہ حضرت دانت بنوالیجئے۔ فرمایا بھائی اب تو نرم بوٹیاں گرم روٹیاں ملتی ہیں۔ دانت بننے کے بعد یہ نہیں ملیں گی تو دانت بنوا کر کیوں اپنا نقصان کروں۔ سبحان اللہ کتنا خوش ہیں۔ ورنہ یہ ظرافت بدون بڑی خوشی کے کبھی نہیں

(۱) آنکھ کو رکاوٹ سمجھتے ہیں (۲) ''کہ کسی نے ایک زاہد سے کہا کہ کم رویا کرو تاکہ آنکھیں نہ جاتی رہیں'' (۳) ''زاہد نے کہا سنو! آنکھ یا تو وہ جمال دیکھے گی یا نہیں دیکھے گی'' (۴) ''اور اگر جمال نہ نظر آوے تو ایسی کمبخت آنکھوں کو لیکر کیا کروں گا۔ ان کا اندھا ہونا ہی بہتر ہے''۔

سوجھ سکتی۔ حضرات وہی بات ہے کہ کچھ مل گیا ہے جس پر آنکھ دانت سب قربان ہیں۔ جس کی جیب سے پیسہ گر کے اشرفی آ گئی ہو اُسے پیسہ کا کیا غم اسی طرح اگر ادھر کی آنکھیں جاتی رہیں اُدھر کی صحت حاصل ہو جائے تو کیا غم۔ اگر کسی کے پاس ایک ہی پیسہ ہو تو وہ ہائے ہائے ضرور کرے گا۔ اشرفی والے کو ایک کیا سو پیسوں کی بھی پروا نہ ہوگی۔ حضرت یہ فرحت یہ انشراح یہ بشاشت (خوش طبعی) یہ سکون واطمینان نعم البدل (اچھا بدلہ) ملنے ہی کی علامت ہے غرض جو لقاء رب وہاں ہوگا وہ انہیں یہیں حاصل ہے۔

## عید یوم المشاہدہ ہے

بہرحال ان دونوں حدیثوں سے جیسا کہ اس کی تقریر مذکور ہوئی معلوم ہوتا ہے کہ کمال عمل یعنی افطار کے وقت قرب ہوتا ہے۔ اور افطار دو ہیں صغیر وکبیر (۱)۔ افطار صغیر تو یہی ہے جو روزمرّہ (۲) مغرب کے وقت ہوتا ہے۔ افطار کبیرہ وہ ہے جو رمضان کے خاتمہ پر آتا ہے یہ ایک دن کا افطار ہے وہ تیس دن کا ہے۔ اور حدیث میں افطار صغیر کا ذکر صراحتاً ہے۔ اور افطار کبیر کا اشارۃ اگر صغیر پر جزا صغیر ہے تو کبیر پر کبیر ہونی چاہیئے۔ غرض ان دونوں حدیثوں کے مجموعہ نے بتلا دیا کہ عید کی کیا حقیقت ہے۔ یعنی عید کی حقیقت ہے مشاہدہ۔ گو حدیث میں لقاء رب کا لفظ ہے۔ مگر مشاہدہ ولقاء رب (۳) ایک ہی ہیں اور اس لفظ کے اختیار کرنے کی وجہ یہ ہے کہ ان عبادات کی روح کا لقب جو کہ روزہ کے متعلق تھی مجاہدہ تھا اس لئے لفظ مشاہدہ اختیار کیا تاکہ مجاہدہ کا قافیہ بھی ہو جاوے ورنہ حاصل دونوں کا ایک ہی ہے اسی روح کو ایک عارف سمجھ کر کہتے ہیں ؎

(۱) چھوٹا بڑا (۲) روزانہ (۳) دیدار الٰہی اور ملاقات رب ایک ہی بات ہے۔

روزہ یکسو شد وعید آمد ودلہا برخاست مَے بمیخانہ بجوش آمد ومے باید خواست (۱)

روزہ سے مراد اصطلاح میں مجاہدہ ہے اور عید سے مراد مشاہدہ ہے اس عنوان سے تعبیر کرنا اس طرف مشیر ہے (۲) یعنی اب مشاہدہ کا وقت آیا ہے اب تک مرجھائے ہوئے تھے اب سب کے دل شادان ہیں۔ اب کھڑے ہوئے ہیں شراب پینے کو آج اُن کا عمل پورا ہوگیا ہے۔ وہ اس شکر کے جوش میں بزبان حال کہتے ہیں کہ ؎

شکر للہ کہ نمردیم ورسیدیم بدوست آفریں باد بریں ہمت مردانۂ ما (۳)

آج اپنی ہمت پر آفرین کررہے ہیں کہ خیریت سے دوست تک پہنچ گئے۔ سبحان اللہ یہ معنی ہیں دلہا برخاست کے اور کہتے ہیں مے بمیخانہ بجوش آمد۔ شراب جوش میں آرہی ہے۔ وہ شراب نجس نہیں وہ شراب صرف طاہر بھی نہیں بلکہ شراب طہور ہے یعنی صرف پاک شراب نہیں بلکہ ناپاک کو پاک کرنے والی شراب ہے۔ اسی لئے قرآن مجید میں شراب طاہر نہیں فرمایا، شرابِ طہور فرمایا۔ کیا رحمت ہے دیکھئے یہاں تو نہ کھانا نہ پینا جیسے روزہ مطہر (پاک کرنے والا) ہے اور وہاں کا کھانا پانی بھی مطہر ہے وہ شراب جوش میں آرہی ہے وہ جوش میں کیسی آرہی ہے۔

## حقیقتِ عید

ایک حدیث میں ہے چار شخصوں کے لئے جنت مشتاق ہے (الحدیث) یعنی اس میں جوش ہے اس کا تقاضا ہے کہ مجھے فلاں شخص کو دیدیا جاوے۔ جب ایسا انعام ہے تو پھر مانگنا چاہیئے یہ معنی ہیں ''مے باید خواست'' کے، تو عارف شیرازی

(۱) روزے مکمل ہوگئے ہیں عید آگئی ہے رمضان چلا گیا اللہ کی رحمت جوش میں ہے اللہ کی رحمت طلب کرو (۲) اس طرف اشارہ کیا جارہا ہے کہ اب مشاہدہ کا وقت آگیا (۳) ''اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ ہم خیریت سے دوست تک پہنچ گئے ہماری اس ہمت مردانہ پر آفرین ہے''۔

نے پہلے مصرعہ میں بتلا دیا کہ عید کی حقیقت مشاہدہ ہے اور دوسرے مصرعہ میں بتلا دیا کہ رحمت کا جوش ہے مانگنا چاہیئے رحمت صوری کا بھی اور رحمت معنوی کا بھی۔

پس عید میں دونوں طرح کی دعوت ہے ظاہری بھی باطنی بھی۔ جیسے فرحت عندالافطار (افطار کے وقت فرحت) کے دو پہلو تھے۔ اس طرح فرحت عندالافطار الاکبر (افطار اکبر کے وقت فرحت) میں بھی دو ہی ہیں۔ ایک تو دعوتِ ظاہری یعنی چھوہارے سویّاں۔ اور سویّاں تخصیص کے ساتھ نہیں۔ بلا تخصیص اگر ہوں تو مضائقہ نہیں۔ حدیث سے صرف تمر کے کھانے کا استحباب ثابت ہے۔ پس یہ ضیافت حق کا دن ہے۔ وہ جو کہتے ہیں کہ دعوت کا قبول نہ کرنا گناہ ہے یہ دعوت اس کا پورا مصداق ہے۔ چنانچہ اس دن اگر کوئی روزہ رکھے گا تو گنہگار ہوگا۔ بھلا خدا دعوت کرے اور قبول نہ کرو۔ نہیں کھانا پڑے گا۔ یہ افطار اکبر کا دن ہے۔

گرنستانی بستم میرسد

''اگر خوشی سے نہ مانو گے زبردستی ماننا پڑے گا''۔

## جنت کی نعمتیں

اور ایک باطنی دعوت ہے وہ باطنی دعوت کیا ہے جسے مانگنا چاہیئے وہ یہ ہے ؎

شربت الخمر کاسًا بعد کاسٍ فلا نفد الشراب ولا رویت

''میں شراب کے پیالے پر پیالے چڑھا گیا''۔

نہ شراب ہی ختم ہوئی نہ جی ہی بھرا ''کاس'' اصل میں خاص شراب کے پیالے کو کہتے ہیں اور وہ شراب غیر منقطع کیا ہے وہ یہ ہے ؎

نہ حسنش غایتے واردنہ سعدی راسخن پایاں بمیر دتشنہ مستسقی ودریا ہمچناں باقی (۱)

(۱) ''یعنی نہ محبوب کے حسن کی انتہا ہے نہ سعدی کے کلام کی جیسے جلندر والا مرجاتا ہے اور دریا باقی رہ جاتا ہے۔ ایسے محبوب کے حسن کا بیان باقی رہ گیا''۔

یعنی وہ حسن شراب ہے اس میں کہاں غایت ہے کہاں انتہاء ہے۔ اس میں تو یہ ہے کہ جتنا آگے بڑھے اور طلب بڑھتی جاتی ہے ۔

اے برادر بے نہایت درگہیست ہرچہ بروئے میرسی بروے مائیست (۱)

اور اس کو سیر فی اللہ کہتے ہیں یہ کبھی ختم نہیں ہوتی ۔

نہ گردد قطع ہرگز جادۂ عشق ازدوید نہا

کہ مے بالدبخود ایں راہ چوں تاک از بر یدنہا

عشق کا راستہ دوڑنے سے قطع نہیں ہوتا جس طرح درخت انگور کو جتنا قطع کرو اور بڑھتا ہے یہ سیر فی اللہ کہلاتی ہے جیسا ابھی مذکور بھی ہوا تھا سیر الی اللہ البتہ ختم ہو جاتی اور یہ ختم نہیں ہوتی ورنہ اس کلام میں اور کسی پر واصل کا حکم کرنے میں تعارض ہوگا کیونکہ واصل کے تو معنی یہی ہیں کہ اس کو وصول ہو گیا اور سیر ختم ہوگئی اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ واصل کی بھی سیر ختم نہیں ہوئی سو بعد اس تقسیم کے ان میں کوئی تعارض نہیں کیونکہ جو سیر ختم ہوئی ہے وہ الی اللہ ہے اور جو کبھی ختم نہیں ہوگی وہ فی اللہ ہے۔ بہرحال یہ شراب تجلیات حق ہیں جو کبھی علم کی صورت میں ظاہر ہوتی ہیں، کبھی کسی اور صورت میں ظاہر ہوتی ہیں۔ اسی کی نسبت کہتے ہیں ۔

روزہ یکسو شد وعید آمد ودلہا برخاست مے بمیخانہ بجوش آمد وے باید خواست (۲)

یعنی مجاہدہ پورا ہو گیا اب مشاہدہ کا وقت آیا سب کے دل شاداں ہیں رحمت کا جوش ہے مانگنا چاہیئے ۔

تو یہ ہے عید کی حقیقت یعنی مشاہدہ حق جس میں دعوت حسنیہ بھی ہے اور دعوت حسیہ بھی پس اگر ہماری عید مشاہدہ سے خالی ہے تو عید بے روح ہے۔

(۱) ''اے برادر بے نہایت درگاہ ہے جس درجہ پر پہنچو اس پر مت ٹھہرو بلکہ آگے کو ترقی کرو'' (۲) ''روزے مکمل ہو گئے ہیں عید آ گئی ہے رمضان چلا گیا اللہ کی رحمت جوش میں ہے اللہ کی رحمت طلب کرو''۔

# بنی اسرائیل اور مسلمانوں کے مائدہ میں فرق

یہ تقریر تو حدیث سے مستنبط تھی اور اسی کے قریب یہ آیت بھی ہے جس کو میں نے اول میں تلاوت کیا تھا یعنی ﴿رَبَّنَآ اَنْزِلْ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ تَكُوْنُ لَنَا عِيْدًا﴾ الآیۃ۔ اے اللہ ہم پر مائدہ نازل کر کہ وہ ہمارے لئے عید ہوجاوے اور اس آیت سے بعض نے عید میلاد النبی پر استدلال کیا ہے مگر چونکہ اس کا جواب وعظ ''السرور'' میں بیان ہو چکا ہے اس لئے اس وقت اس کے متعلق بیان کرنا مقصود نہیں ہے۔ اس وقت اس سے صرف یہ استنباط کرنا ہے کہ جیسے عیسیٰ علیہ السلام نے عید کو نزول مائدہ پر مرتب کیا ہے جس سے معلوم ہوا کہ عید کا مقتضا ایک درجہ میں اقتران ہے عید اور نزول مائدہ کا(۱)۔ چنانچہ امت عیسی علیہ السلام کو مائدہ کے نزول پر عید ملی۔ پس اس امت کو عید عطا ہونے سے بھی باقتضائے مذکور معلوم ہوتا ہے کہ ان کو بھی ایک مائدہ ملا ہے جس کی ایک صورت ہے کھانا پینا خوشی کرنا اور ایک معنی ہے مشاہدہ۔ پس اس طرح سے یہ آیت دال ہے روح عید پر مگر بنی اسرائیل کے مائدہ میں اور ہمارے مائدہ میں یہ فرق ہے کہ ان کو محض مائدہ صوری ملا تھا جس میں احتمال ردونکس (لوٹنا) کا تھا اور چونکہ ہمارا مائدہ مقرون ہے مائدہ معنوی کے ساتھ اس لئے اس میں کوئی ردونکس رجوع وسقوط (۲) وحور نہیں ہوسکتا چنانچہ بنی اسرائیل کو اسی لئے ارشاد ہوا تھا: ﴿قَالَ اللّٰهُ اِنِّيْ مُنَزِّلُهَا عَلَيْكُمْ ۚ فَمَنْ يَّكْفُرْ بَعْدُ مِنْكُمْ فَاِنِّيْٓ اُعَذِّبُهٗ عَذَابًا لَّآ اُعَذِّبُهٗٓ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ﴾ کہ ہم مائدہ نازل تو کردیں گے۔ لیکن اس کے بعد جو کوئی ناشکری کرے گا اس کو ایسا سخت عذاب ہوگا کہ کبھی کسی کو نہ ہوا ہوگا اور نہ ہوگا۔ چنانچہ انہوں نے ناشکری کی اور عذابِ الٰہی میں گرفتار ہوئے۔

(۱) عید اور نزول مائدہ کا ملا کر (۲) ہمارے مائدہ میں نہ لوٹنے کا احتمال نہ ختم ہونے کا۔

## ہمارے لئے دو مائدے

الحمد للہ ہم کو دو مائدے عطا ہوئے ایک جسمانی، ایک روحانی۔ یا ایک صوری، ایک معنوی یا ایک ظاہری، ایک باطنی تا کہ اگر مائدہ جسمانی سے ہم ناشکری کرنا چاہیں تو روحانی ہم کو سنبھالے رہے اور ناشکری نہ کرنے دے۔ اور وہ روحانی مائدہ کیا چیز ہے۔ وہ محبت و معرفت ہے حق تعالیٰ کی، جس کا دوسرا عنوان ہے مشاہدہ جس کا اوپر ذکر ہوا ہے۔ اور یہ جو کہا گیا ہے کہ یہ ظاہری نعمت کی بھی ناشکری نہ کرنے دے گی بیان اس کا ہے کہ محبت کا خاصہ ہے کہ محبوب کے ادنیٰ احسان کی بھی محبت کی نظر میں بڑی قدر ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے احسانات تو سب اعلیٰ واعظم ہی ہیں۔ پس یہ ایسی چیز ہے کہ وہ اس مائدہ کے شکر کو اس قدر بڑھوادے گی۔ کہ جو عبدالدرہم (دنیادار) سے لاکھوں روپے پر بھی نہ ہوگا۔ اور اس قدر، قدر ہوگی کہ عبدالدینار کو ایک لاکھ دینار کی بھی نہ ہوگی۔

## انعامات الٰہی کی قدر

واللہ۔ اللہ کے بندوں کو اگر کوئی ایک پیسہ بھی محبت سے دے تو انہیں اس قدر حظ ہوگا کہ جو روپے پیسہ کے پرستاروں کو سو روپے میں بھی نہ ہوگا۔ اس ایک پیسہ کی قدر کسی سے محبت ہو تو جانو۔ فرض کرو کہ ایک شخص آیا اس نے آ کر ایک پیسہ دیا کہ یہ تمہاری محبوبہ نے دیا ہے تو کس قدر حظ ہوگا۔ ایک پیسہ تو کوئی بڑی چیز نہیں وہ حظ (۱) اس بات سے ہوگا کہ مجھے یاد تو کیا اور بڑی وفادار اور بے تکلف ہے کہ ایک پیسہ بھیجنے سے شرمائی نہیں۔ تو جو اہل اللہ ہیں انہیں اسی بات کا حظ ہوتا ہے کہ یہ محبوب کا بھیجا ہوا ہے۔ اگرچہ ایک پیسہ ہے۔ میں کہتا ہوں بادشاہ جارج پنجم اگر

(۱) لذت و مزہ۔

آپ کو کوئی چیز دیں جو اتنی قیمتی ہو کہ اشرفی کے برابر ہو کہ کھالو۔ تو آپ کو کھا کر نہایت حظ ہوگا اور آپ فخر کریں گے۔ اس کے بعد پھر کوئی چیز دی جو اس قدر ارزاں ہو کہ ڈھیلے کی چار تولہ آتی ہو تب بھی آپ کو حظ ویسا ہی ہوگا اس لئے کہ عطیہ شاہی ہونے میں تو دونوں یکساں ہیں۔ اسی طرح اہل اللہ کو ایک پیسہ اور سو روپے میں اس حیثیت سے برابر حظ ہوتا ہے۔ تو جسے خدا کی نعمت کی قدر نہیں وہ ایک پیسہ کی ناقدری کرتا ہے۔ اسی طرح کھانوں میں وہ شخص تین پانچ کرتا ہے جسے خدا کی نعمت کی قدر نہیں۔ اگر جارج پنجم کے سامنے کسی معمولی سی چیز سے تین پانچ کرو تو میں جانوں کہ بھائی تمہاری فطرت ہی ایسی ہے۔ مگر وہاں تو تم سر آنکھوں پر رکھ کر کھالوگے۔ تو بات یہ ہے کہ جارج پنجم کی نسبت سمجھتے ہیں کہ وہ دیکھ رہے ہیں اگر ذرا بھی رُکے تو ان کو بے رغبتی کی اطلاع ہوگی تو صاحبو! کیا خدا نہیں دیکھتا۔ افسوس جارج پنجم کے یہاں کے کھانے کی تو یہ قدر اور خدا کے یہاں کے کھانے کی کچھ بھی قدر نہیں۔

## زمین پر گرنے والی چیز اٹھا کر کھانے کی حکمت

یہاں سے اس کا بھی راز معلوم ہوگیا ہوگا کہ جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم گری ہوئی چیز اٹھا کر کھالیتے تھے۔ اگر جارج پنجم کا دیا ہوا امرود تھوڑا کھانے کے بعد گر پڑے تو اٹھا کر مٹی بھی نہیں پونچھیں گے مع مٹی کے فوراً کھا جائیں گے۔ پس حضور ﷺ بھی کھانا بادشاہ کے سامنے کھاتے تھے۔ ہم اندھے ہیں ہمیں نظر نہیں آتا تو اس وجہ سے آپ گری ہوئی چیز اٹھا کر کھالیتے تھے کہ بادشاہ کی دی ہوئی ہے۔

جناب ملاّ محمود صاحب مدرس دیوبند کو میں نے خواب میں دیکھا۔ پوچھا

کیا گذری انہوں نے فرمایا بہت اچھی گذری مغفرت ہوگئی۔ میں نے پوچھا انہوں نے کیوں بخشد یا کہا کہ ایک دن کھچڑی میں نمک پھیکا تھامیں نے سر جھکا کر چپکے سے کھالی کچھ اس کے عیب نہیں بیان کئے۔حق تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم کو یہ بات پسند آئی اور بخشد یا۔سبحان اللہ بخشش ہوئی تو اس واسطے کہ کھچڑی کھالی تھی۔

## لطافت طبع

ہاں ہاں کچھ تعجب نہ کرو وہاں ایسا ہی ہے اب تم یہ نہ کرنا کہ یہ تو بڑی سہل بات ہے بس ہم بھی ایسی ہی کھچڑی ایک دفعہ کھالیں گے ہماری بھی مغفرت ہوجائے گی۔ بھائی سب کام کرو کھچڑی بھی کھاؤ۔نماز بھی پڑھو،روزہ بھی رکھو، پھر وہ چاہے کھچڑی سے مغفرت کردیں، چاہیں نماز روزہ سے کردیں۔غرض اہل محبت کو تھوڑی سی چیز میں بھی اس لئے لطف آتا ہے کہ خدا کی دی ہوئی ہے اور جو پیٹ کے کتے ہیں وہ تو اسی سے خوش ہوں گے کہ بہت سا پلاؤ ملے یہ کثیف الطبع ہیں کہ انہیں پیٹ ہی کی فکر رہتی ہے۔کثیف الطبع پر ایک لطیفہ یاد آ گیا کہ ایک بادشاہ نے سنا کہ دکن کی عورتیں بڑی بدتمیز ہوتی ہیں۔چار عورتیں چار سمت کی جمع کیں ان میں ایک دکن کی تھی۔صبح کے بالکل اول وقت میں بادشاہ نے سب سے پوچھا کہ کیا وقت ہے چاروں نے کہا کہ صبح ہوگئی۔ بادشاہ نے ہر ایک سے پوچھا کیسے معلوم ہوا۔ایک نے کہا کہ صبح کے وقت نسیم چلتی ہے۔اس کی ٹھنڈک سے میری نتھ کے موتی ٹھنڈے ہوگئے اس سے معلوم ہوا کہ صبح ہوگئی۔دوسری نے کہا کہ صبح کے وقت شمع کی روشنی میں تغیر آجاتا ہے۔اس وقت شمع کی روشنی متغیر ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ صبح ہوگئی۔تیسری نے کہا کہ صبح کے وقت منہ کے پان کا مزہ بدل جاتا ہے۔ اس وقت میرے منہ کے پان کا مزہ بدل گیا ہے اس سے معلوم ہوا کہ صبح ہوگئی۔

دکّن کی عورت سے پوچھا کہ تم کو کیسے معلوم ہوا کہ صبح ہوگئی۔ تو آپ کہتی ہیں کہ گوہ آرہا ہے اس سے معلوم ہوا کہ صبح ہوگئی۔ واقعی وہ تینوں بڑی لطیف المزاج تھیں اور یہ نہایت کثیف المزاج تھی کہ استدلال بھی کیا تو گوہ سے تو بعضے لوگ ایسے پیٹ کے بندے ہوتے کہ ہر موقع پر کھانے اور نگنے ہی کا خیال رہتا ہے۔ باقی جو پیٹ کے بندے نہیں ہوتے وہ تھوڑی چیز بھی ملے گی قدر کریں گے کہ خدا کی دی ہوئی ہے اور اس کا مقتضٰی یہ بھی تھا کہ جو چیز ملے کھانا پڑے۔ مگر کیا ٹھکانا ہے حضرت حق تعالیٰ کی رحمت کا کہ اس کے متعلق حکم شرعی نہایت سہل مقرر فرمایا جس کو جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے فعل سے ظاہر فرمادیا کہ ان اشتھی شیئاً اکله وان لم یشته ترکه جی چاہا کھالیا جی چاہا نہ کھایا۔ مگر کبھی مذمت نہیں کی۔ اور بادشاہ اگر ایک چیز دے تو آپ ایسا نہیں کرسکتے کہ جی چاہا کھالیا نہ جی چاہا نہ کھایا وہ تو کھانا پڑے گا۔ پس یہ کتنی بڑی رحمت ہے۔ قدردانی نعمت پر ایک حکایت یاد آگئی۔

## نعمت کی قدردانی

حضرت لقمان علیہ السلام کے آقا نے ان سے کہا کہ کھیت سے ککڑی توڑ کر لاؤ۔ یہ لائے اس نے کاٹ کر ایک قاش انہیں دی۔ یہ کھا گئے اس نے یہ سمجھا کہ اچھی ہوگی جب تو کھا گئے۔ اس نے بھی کھائی جیسے ہی منہ میں رکھی تو معلوم ہوا کڑوی زہر ہے۔ کہا تم نے کہا کیوں نہیں؟ کہا جس کے ہاتھ سے ہزاروں شیرینیاں کھائی ہیں ایک تلخی کو کیا زبان پر لاتا اور ان شیرینیوں کو بھول جاتا۔ یہ حالت ہوتی ہے محبین کی کہ تلخ کو بھی شیرینی سمجھتے ہیں مگر اس طرف سے اس کی تکلیف نہیں وہ دنیا کے بادشاہوں کی طرح نہیں کہ اگر کسی بادشاہ نے آپ کو امرود

دیا۔ آپ نے پھینک دیا کہ مجھے تو اچھا نہیں معلوم ہوتا۔ حکم ہوگا ابھی کھاؤ بڑے گستاخ ہو۔ تو حق تعالیٰ کا یہ حق بدرجۂ اولیٰ تھا کہ وہ ایسے قانون مقرر کر دیتے۔ مگر نہیں ایسا نہیں کیا۔

## حضور ﷺ کی شفقت

سبحان اللہ کیا رحمت ہے کہ اگر جی چاہے کھالو نہ جی چاہے نہ کھاؤ۔ مگر مذمت (۱) نہ کرو۔ اور اس میں سب سے بڑھ کر جناب رسول مقبول ﷺ کی ہمت پر تعجب ہے کہ ان اشتھیٰ شیئاً اکلہ وان لم یشتہ ترکہٗ ''جی چاہا کھالیا نہ جی چاہا نہ کھایا'' آپ باوجود غلبۂ عشق کے کہ مقتضیٰ اکل (۲) کو ہر حال میں تھا ضعفاء کی رعایت کے لئے ترک پر کیسے قادر ہوئے۔ اللہ اکبر کیا شفقت آپ نے اپنے عشق کو مغلوب کر کے مصلحت امت کو غالب کیا کہ عمل کر کے دکھلا دیا ؎

بر کفِ جام شریعت بر کف سندانِ عشق ہر ہوسنا کے نداند جام وسندان باختن (۳)

## محبین کی کیفیات

اور آپ کی تو بڑی شان ہے، آپ کے اولیاء امت بکثرت اس ہمت کے گذرے ہیں۔ حضرت عبدالحق ردولوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''کہ منصور بچہ بود کہ از یک قطرہ بفریاد آمد اینجا مردان اند کہ دریاہا فرو برند وآروغ نزنند'' منصور بچہ تھا کہ ایک قطرہ میں چیخ اٹھا۔ یہاں تو مرد ہیں کہ دریا کے دریا پی جائیں اور ڈکار تک نہ لیں۔

واقعی یہ حضرات سمندر کے سمندر پی جائیں اور اُف نہ کریں۔ جب آپ کے خدّام کی یہ حالت ہے تو آپ کے اندر تو دریائے عشق موجزن تھا اور کیسا دریا ؎

(۱) برائی نہ کرو (۲) اس کو کھانے کا تقاضا تو ہر حال میں تھا (۳) ''یعنی ایک طرف شریعت کا خیال ہے دوسری طرف عشق کا۔ شریعت وعشق دونوں کے مقتضی پر عمل کرنا ہر ہوسناک کا کام نہیں''۔

بحر یست بحر عشق کہ ہیچش کنارہ نیست آنجا جز اینکہ جان بسپارند چارہ نیست (۱)

اتنے بڑے دریا کو ضبط کر کے ہماری مصلحت کا خیال۔

## ہماری حالت

مگر افسوس ہماری یہ حالت کہ صرف اتنا ہی نہیں کہ نہ کھائیں۔ نہیں اس سے اس قدر آگے بڑھے کہ ہانڈی اٹھا کر پھینک دی۔ بھلا احمق سے پوچھے ہانڈی کا کیا قصور؟ کیا اس نے سالن پکایا تھا اگر پھینکنا تھا تو بیگم صاحب کو پھینکا ہوتا جنہوں نے سالن پکایا ہے۔ اس قسم کی حرکتیں ہم لوگوں کی ہیں۔ مگر جو مائدہ باطنی پائیگا وہ مائدہ ظاہری پر کفران نہ کرے گا۔ جیسا کہ عیسیٰ علیہ السلام کی امت نے مائدہ باطنی نہ پانے کی وجہ سے کفران کیا تھا۔ پس اصلی عید اس مائدہ باطنی یعنی مشاہدہ کا عطا ہونا ہے۔

## خلاصہ وعظ

اسی کو ہمارے حضرت حاجی صاحب نے ایک قطعہ میں ظاہر بھی کر دیا ہے ؎

عیدگاہِ ما غریباں کوئے تو انبساط عید دیدن روئے تو (۲)

صد ہلالِ عید قربانت کنم اے ہلالِ عید ما ابروئے تو (۳)

گویا یہ قطعہ سارے وعظ کا میزان الکل ہے۔ اب حق تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ عید حقیقی بھی ہمیں میسر ہو اور اس کے حاصل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اب دو چار روز رہ گئے ہیں اب بھی کچھ مجاہدہ کر لو۔ ان شاء اللہ مشاہدہ کی قابلیت کہ عید حقیقی ہے

(۱) ''دریائے عشق ایسا دریا ہے کہ اس کا کوئی کنارہ نہیں ہے اس جگہ جان سونپنے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے''

(۲) ''ہم غریبوں کی عیدگاہ اے محبوب آپ کا کوچہ ہے اور عید کی خوشی آپ کا مشاہدہ ہے'' (۳) ''عید کے سو چاند آپ پر قربان کریں۔ اے محبوب آپ کا چہرہ انور ہمارا عید کا چاند ہے''۔

میسر ہوسکتی ہے۔ اور جب معلوم ہوگیا کہ عید یہ ہے تو آپ اب اس شاعر کی بھی تکذیب کرسکتے ہیں۔ جس کا یہ مصرع مشہور ہے ؎

ہر روز عید نیست کہ حلوہ خورد کسے

''ہر روز عید نہیں ہوتی کہ کوئی شخص حلوہ کھایا کرے''

اور آپ ہر روز عید منا سکتے ہیں۔ کیونکہ وہ عید حقیقی کیا ہے حق تعالیٰ کی محبت اور وہ ہر وقت میسر ہوسکتی ہے اور اس سے آپ دوسرے ایک مصرع کا دعویٰ کرسکتے ہیں۔ ہر شب شب برات ہے ہر روز روز عید۔ خوب سمجھ لو۔ اور اس سے یہ نہیں نکلتا کہ آپ اپنی طرف سے کسی روز عید کرلیں۔ بلکہ اس سے تو اس کے خلاف ثابت ہوتا ہے کیونکہ جب ہر روز عید ہے تو ہمیں تخصیص کرنے کی کیا ضرورت ہے یہی تخصیص بدعت اور بے دلیل ہے۔

وعظ السرور میں اس کے متعلق مفصل بحث ہے۔ اور راز اس تخصیص کے اختیاری نہ ہونے کا یہ ہے کہ گو ہر یوم محبت وطاعت کا عید اور وقت تجلی ہے۔ مگر جو عیدیں شارع کی جانب سے مقرر ہیں ان میں تجلی اعظم ہے پس اگر آپ کے پاس کوئی دلیل ہو کسی دن میں تجلی اعظم ہونے کی تب آپ بھی مقرر کرسکتے ہیں اور یوں بے دلیل تو محض واہیات، خرافات، بدعت وضلالت ہے مگر بالمعنی الاعم ہر روز عید ہے بلکہ ہر وقت عید ہے حتی کہ مرنے کا وقت جو اوروں کے لئے وعید ہے اس میں بھی آپ کے لئے عید ہے۔ چنانچہ عارف شیرازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

خرم آں روز کزیں منزل ویراں بروم راحتِ جاں طلبم واز پئے جاناں بروم (۱)

(۱) ''یعنی وہ دن مبارک ہے جس روز ہم اس دنیا فانی سے کوچ کریں۔ راحت جاں طلب کریں اور محبوب حقیقی کے لئے ہم جائیں''۔

نذر کردم کہ گر ایں غم بسر آید روزے تا درِ میکدہ شاداں وغزل خواں بردم (۱)

تو عارف وعاشق خوشی منا تا ہے کہ وہ دن کب آئیگا جب میں زندان سے نجات پاؤں گا۔ یہ مضامین فوائد ہوئے عید کے متعلق۔ اب حق تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ وہ فہم اور عمل کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔ (۲)

تمت

---

(۱) ''میں نے نذر کی ہے کہ جس دن یہ غم تمام ہوجائے یعنی موت کا وقت آئے تو محبوب کے دربار تک خوش وخرّم اور شعر پڑھتا ہوا جاؤں'' (۲) اللہ تعالیٰ تمام قارئین کو اس وعظ سے مستفید ہونے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین

خلیل احمد تھانوی

۲۵/۴/۲۰۱۷

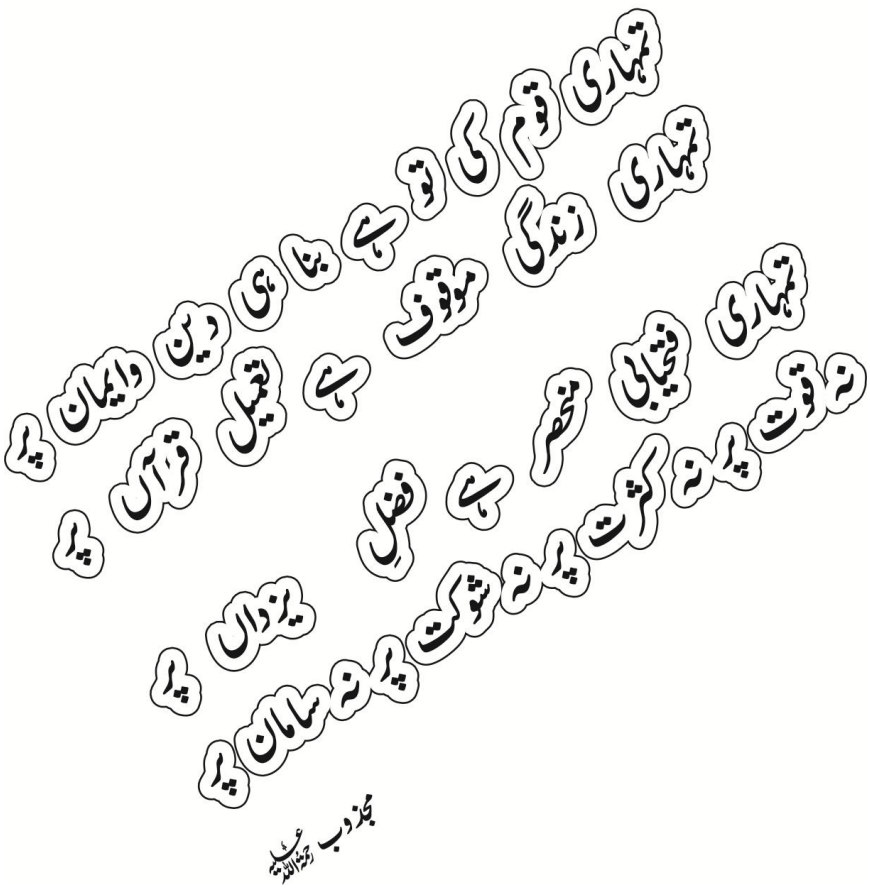
تمہاری قوم کی تو ہے بنا ہی دین و ایمان پر
تمہاری زندگی موقوف ہے تعمیل قرآں پر
تمہاری فتحیابی منحصر ہے فضلِ یزداں پر
نہ قوت پر نہ کثرت پر نہ شوکت پر نہ سامان پر
مجذوب رحمۃ اللہ علیہ

رنگ رلیوں پہ زمانے کی نہ جانا اے دل
یہ خزاں ہے جو باندازِ بہار آئی ہے

مجذوب رحمۃ اللہ علیہ